یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم
حضرۃ مولانا
قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا
محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف، شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرۃ مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرۃ مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرۃ مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

توبہ و اعتذار

گزشتہ شمارے کے مضمون ’’مفتی محمد زاہد فیصل آبادی، اَفکار ونظریات: [قسط نمبر: ۴] میں صفحہ نمبر چالیس (۴۰) پر کمپوزنگ کی غلطی کے باعث ایک لفظ چھوٹ گیا تھا، جس کی وجہ سے معنی کچھ کا کچھ ہوگیا۔ اِس غلطی پر مضمون نگار اور ادارہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بھی معافی کے خواستگار ہیں۔ اور قارئین سے بھی معذرت خواہ ہیں۔ سطر نمبر دس (۱۰) سے عبارت کو یوں پڑھا جائے:

’’اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ محاربہ ومشاجرہ طلبِ قصاصِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تھا، حکومت وامامت کی طمع اور خواہشِ نفس وہویٰ پرستی اس میں دخیل نہ تھی، کہ جس بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پر طعن وتشنیع کے تیر چلائے جائیں، یا ان پر فسق کا الزام لگا کر انہیں دائرۂ عدالت سے خارج کیا جائے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کا خیال ہے، بلکہ سلامتی کا راستہ اس میں زیادہ غور وخوض نہ کرنا اور منہ بند رکھنا ہی ہے۔‘‘

وفیات

......مولانا عبد اللہ مدنی [ناظم تعلیمات: جامعه فتحیه، لاہور] کا دوسالہ بیٹا رحمہ اللہ

......جناب اختر میمن اور ثاقب میمن کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [دادو، سندھ]

......حاجی ملاح صاحب کے والد محترم رحمہ اللہ [جھوک شریف، سندھ]

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

مسجد نبوی کا پر نور ماحول، محبوب کبریا ﷺ میرِ مجلس اور صحابہ کرامؓ جیسی ہستیاں محفل کی زینت۔ سبحان اللہ!

کیسا منظر ہوگا وہ ، اللہ اکبر جس گھڑی
مسجدِ نبوی میں ہوں گے چاند تارے روبرو

ایسی ہی ایک پُر رونق اور قابل رشک مجلس مسجد نبوی میں جمی تھی، جس پر زمین کے ذروں کو ناز تھا اور آسمان کے ستارے جسے رشک بھری نظروں سے تک رہے تھے۔ اسی دوران ایک مفلس اور نادار صحابیؓ وارد ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے بھوک کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے اپنی ہر بیوی کے گھر پیغام بھیجا کہ شاید کسی گھر میں کھانے کو کچھ مل جائے اور مہمان کی ضرورت کا سامان ہو سکے، مگر کائنات کے سردار کے اس فاقہ پر زمین کے سارے خزانے قربان۔ کہ حضور ﷺ کی کسی بھی اہلیہ محترمہ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے صحابہ میں اعلان فرمایا: **من یضیفه یرحمه الله** ”اس شخص کی میزبانی کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔“

آنحضرت ﷺ کی دعائے رحمت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے لیے ایک انصاری صحابی اٹھتے ہیں اور اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں، پھر انصاری نے اپنے گھر پہنچ کر اپنی اہلیہ کو ساری صورتحال سے مطلع کیا اور پوچھا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا ”صرف بچوں کا کھانا رکھا ہے۔“ صحابی نے کہا: فعلليهم بشيء و نوميهم ”کسی شیء کے ساتھ بچوں کو بہلا کر سلا دو“ اور جب مہمان آ جائے تو چراغ کو درست کرنے کے بہانے بجھا دینا، بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی نے خود بھوکے رہ کر مہمان کی ضیافت کا حق ادا کر دیا۔ جب صبح کے وقت وہ انصاری صحابی حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لقد عجب الله أو ضحك الله من فلان و فلانة. ”ان میاں بیوی کے ایثار بھرے سلوک پر اللہ تعالیٰ بے حد خوش ہوئے۔“ اور ایک روایت میں ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت اتری يؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة. ”خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔“ [مشکوۃ شریف: ۱/۵۸۹ بحوالہ بخاری و مسلم]

ایثار و قربانی کے پیکر اور جود و سخا کی مثال یہ وہی صحابی ہیں جو ہماری اس مجلس کا موضوع ہیں یعنی

حضرت سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوطلحہ انصاری کا نام زید بن سہل تھا چنانچہ آپ کا اپنا شعر ہے

أنا أبوطلحة واسمی زید　　　　و کل یوم فی سلاحی صید

آپؓ کی والدہ کا نام عبادہ بنت مالک تھا، آپؓ انصاری، خزرجی، نجاری ہیں۔ آپ کو عَقَبہ میں بیعت کرنے کی سعادت بھی حاصل ہے اور غزوہ بدر میں شرکت کی فضیلت بھی آپ نے پائی ہے اور بعد کے تمام معرکوں میں بھی آنحضرت ﷺ کے قدم بقدم رہے ہیں۔ آپؓ صحابہ کرامؓ میں سے نامور تیرانداز تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لصوت أبی طلحة فی الجیش خیر من مائة رجل. ’’لشکر میں ابوطلحہ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر اور دشمن پر بھاری ہے۔‘‘ غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص جس دشمن کو قتل کرے گا مقتول کا سامان اسی کا ہوگا اور اس موقع پر حضرت ابوطلحہؓ نے اکیلے بیس کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا تھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: جنگ میں حضرت ابوطلحہؓ نبی ﷺ کے آگے رہتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

نفسی لنفسك الفداء　　　　ووجھی لوجھك الوقاء

’’میری جان آپ پر فدا ہے اور میرا چہرہ آپ کے لیے ڈھال ہے۔‘‘

حضرت انسؓ سے یہ بھی مروی ہے: کان رسول اللہ ﷺ یرفع رأسه من خلف أبی طلحة لیری مواقع النبل. ’’آنحضرت ﷺ ابوطلحہ کے پیچھے سر اٹھا کر دیکھتے تھے کہ: ابوطلحہ کا پھینکا ہوا تیر کس دشمن کا کام تمام کر رہا ہے۔‘‘

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ چوڑے سینے والے تھے اور آنحضرت ﷺ کو اپنے پیچھے ٹھہرا کر فرمایا کرتے تھے نحری دون نحرك. ’’میرا کشادہ سینہ آپ کے لیے ڈھال کا کام دے گا۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد مالک کا جب انتقال ہوا تو ان کی والدہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا، اس وقت حضرت ابوطلحہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت ام سلیمؓ نے جواب دیا: یا أبا طلحة! ما مثلك یرد ولکنك امرء کافر وأنا مسلمة لا تحل لی. ’’آپ جیسا بندہ رد نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ کافر ہیں اور میں مسلمان خاتون ہوں، آپ میرے لیے حلال نہیں ہیں۔‘‘ چنانچہ حضرت ابوطلحہ اسلام لائے اور حضرت ام سلیمؓ سے آپ کا نکاح ہوا۔

ترمذی شریف [۱/۱۸۱] میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حج کے موقع پر

آنحضرت ﷺ نے قربانی کرنے کے بعد اپنے سر مبارک کے دائیں حصہ کو حلق کرنے والے کے آگے پیش کر دیا، اس نے حلق کیا: فأعطاه أبا طلحة، ثم ناوله شقه الأيسر فحلقه فقال اقسمه بين الناس. ''اس حصہ کے سارے بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیے اور پھر بائیں حصہ کا حلق کرایا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس حصے کے بال دے کر فرمایا یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو!''

ترمذی شریف [۱/۲۰۳] میں یہ بھی مروی ہے: الذی الحد قبر رسول اللہ ﷺ أبو طلحة. ''جس نے آنحضرت ﷺ کی لحد مبارک تیار کی، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔''

ترمذی شریف میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا: اقرا قومك السلام، فإنهم ما علمت اعفة صبر. ''اپنی قوم کو سلام کہو جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی قوم پاکدامن اور صبر کرنے والی ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب قرآن مجید کی آیت: لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون. نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: إن أحب أموالي إلى ببرحاء وانها صدقة، أرجو برها وذخرها. ''برحاء نامی باغ مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے، وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس کا صلہ دیں گے اور وہ آخرت میں میرے لیے ذخیرہ ہوگا۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بخ بخ ذاك مال رابح. ''واہ واہ! بہت خوب بہت نفع بخش مال ہے۔''

آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسلسل چالیس برس تک روزے رکھتے رہے۔ (ان ایام کے علاوہ جن میں روزے رکھنا مکروہ ہے۔)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا انتقال جہاد کے سفر میں ہوا، سمندر میں جہاد کے لیے سفر جاری تھا کہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔ فما وجدوا جزيرة يدفنونه فيها إلا بعد سبعة أيام ولم يتغير. ''جزیرہ نہ ملنے کی وجہ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو سات دن کے بعد دفن کیا گیا مگر ان کے جسم مبارک میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔''

یہ عظیم الشان صحابی ۵۱ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

[الاصابہ: ۱/۶۴۸، اسد الغابہ: ۳/۵۵۸، الاستیعاب: ۸۱۷]

قارئین توجہ فرمائیں!

صفدر کا زیر نظر شمارہ ماہِ مارچ و اپریل کا مشترکہ شمارہ ہے۔ آئندہ شمارہ مئی کا ہوگا۔ اِن شاء اللہ

انجم نیازی

سیّدنا ابو طلحہ اَنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عجب چال تو نے یہ گھر میں چلی تھی
بڑی خوبصورت یہ کاریگری کی

بچوں کو بھی کھانے سے پہلے سلایا
بہانے سے تم نے دیا خود بجھایا

یہ مہمان سمجھے کہ سب کھا رہے ہیں
جو پہلے نہ کھایا وہ اب کھا رہے ہیں

ترے شوقِ مہماں نوازی کو اس دم
تری اس حسیں چالبازی کو اس دم

فرشتے اور اُن کا خدا دیکھتا تھا
تجھے داد عرش بریں دے رہا تھا

خدا کے نبیؐ کو خدا نے بتایا
یہ قصہ خدا کے نبیؐ کو سنایا

ترے اس عمل پر خدا خوش ہوا تھا
ترا آقا خیرالوریٰ ﷺ خوش ہوا تھا

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

توجہ کی درخواست: حضرت اقدس مفتی حسن صاحب رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ وخلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) سے کسی نے توجہ کی درخواست کی، فرمایا: میں تو توجہ کرتا ہوں تم بھی تو توجہ کرو۔ بڑے حضرات تھے، بزرگوں کی باتیں ہیں۔

اتفاق کی جڑ تواضع ہے: ایک صاحب نے عرض کیا: میرے سسرال میں نا اتفاقی ہے کیا کروں؟ فرمایا: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے اتفاق کی جڑ تواضع ہے، کوئی ایک تو اللہ کے لیے جھکے، پھر اللہ پاک جھکنے والے کو جھکاتے نہیں اور بھی بلند کردیتے ہیں ''من تواضع لله رفعه الله'' جو اللہ کے لیے جھکتا ہے اللہ اس کا سر عرش سے لگا دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: ''یا ودود'' کی تسبیح بھی کرلیا کریں۔

رزق کی تنگی: تنگی رزق کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: جتنے بھی رزق کے اسباب ہیں سب بہانے ہیں دینے والی ذات اوپر ہے یہ تھوڑی بہت تنگی تکلیف بھی اپنی ذات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے آتی ہے۔ یا باسط کی ایک سے پانچ تسبیح پڑھ لیا کریں۔

عبادت میں دل نہ لگے تب بھی مبارک: عبادت میں دل لگنے کی بابت فرمایا: حضرت اقدس مفتی حسن صاحب رحمہ اللہ بانی جامعہ اشرفیہ فرماتے تھے: دِل لگی مقصود نہیں، دِل لگانا مقصود ہے۔ دِل لگے نہ لگے بس کام میں لگے رہیں۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''میں مبارکباد دیتا ہوں اس شخص کو جس کو نماز میں کبھی مزہ نہیں آیا مگر پھر بھی اللہ کا حکم سمجھ کر پڑھتا رہا۔'' [مفہوم]

مجاہدے کی وجہ سے اجر بڑھ جاتا ہے اور جب لذت آئے تو اس میں تو کچھ نہ کچھ لذت کا بھی دخل ہوتا ہے۔

گناہوں کے ترک کے لیے ہمت کرنا ہوگی: گناہوں کے ترک کے لیے ہمت کی اہمیت پر فرمایا: حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: بیعت کا مقصد یہ نہیں کہ گناہ خود بخود چھوٹ جائیں گے بلکہ اس کے لیے تو ہمت کرنی پڑے گی۔

پھر فرمایا: تھوڑا بہت ہوجائے تو گھبرانا نہیں چاہیے گناہوں کے جھونکے بھی درجات بلند کرنے کے

لیے ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا: میرے حضرت فرماتے ہیں: جب بھی گناہ کا خیال دل میں آئے اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے خیال کو فوراً نیکی کی طرف پھیر دیں اپنے آپ کو کسی جائز کام میں اور نیک کام میں لگا دیں کیونکہ جتنا مصروف اتنا محفوظ۔ وہ خیال آئے گا چلا جائے گا جیسے ہم اب خیر کی بات کہنے سننے میں لگے ہوئے ہیں کوئی گناہ کا خیال دل میں نہیں آ رہا سب گھڑیاں اللہ کی رحمت میں ہی گذر رہی ہیں۔

شیخ کا ادب اور شریعت کی رعایت: اس سوال کے جواب میں کہ کیا شیخ سے غلطی ہوسکتی ہے؟ فرمایا: ہاں ہوسکتی ہے شیخ معصوم تو نہیں ہوتا، اگر ایسا ہو تو مناسب انداز میں مطلع کر دے، بے ادبی نہ ہو۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو اپنی کتاب دی کہ اس میں دیکھیں کوئی غلطی تو نہیں، حضرت نے دیکھا تو ایک جگہ غلطی نظر آئی تو اس لفظ کے گرد دائرہ کھینچ دیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے یہ لفظ سمجھ نہیں آیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ غلطی ہے۔

پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے وضو کی اصلاح کا واقعہ سنایا۔

فرمایا: یہ تعبیر کا ادب بھی بزرگوں کے قدموں میں نصیب ہوتا ہے۔

پیر بننا آسان نہیں: حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''میں بیعت اس لیے کرتا ہوں کہ پیر اور مرید میں سے جو بھی عند اللہ مقبول ہوگا وہ دوسرے کو جنت میں لے جائے گا۔''

فرمایا: میں پہلے سمجھتا تھا کہ پیری مریدی بڑے مزے کی چیز ہے، لیکن پھر اندازہ ہوا کہ یہ تو بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، بڑوں کی طرف سے ایک ذمہ داری ہے۔ پیر کی مثال اس شخص کی ہے جس کے ہاتھ میں چراغ ہو اور وہ قافلے کو اندھیری رات میں (خطرناک راستوں سے) لیے جا رہا ہو۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اپنے بزرگوں سے تعلق کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرمائیں گے (ان شاء اللہ)۔

تربیت صبر آزما کام ہے: پھر فرمایا: تربیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ کبھی ایک بات سن لی کبھی دوسری۔ تربیت کہتے ہی اسے ہیں: تبليغ الشیء الی کماله شيئاً فشيئاً۔ یعنی کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس کے کمال تک پہنچانا۔

اکابر کی نسبتوں کا پاس: مجلس کے اختتام پر فرمایا: اگلے جمعے ہوسکتا ہے میری حاضری نہ ہو۔ ویسے جمعے کو کہیں جاتا تو نہیں، لیکن ''جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ'' سے ختمِ بخاری کی دعوت ہے۔ وہاں نسبت اونچی ہے اس لیے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

مقاصد شریعت کی اہمیت اور اس کے حدود وضوابط

آج کل مختلف حلقوں کی جانب سے ''مقاصدِ شریعت'' کا موضوع اُبھر رہا ہے، اُصولِ فقہ کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے ناکارہ کا بھی اِس موضوع کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط وتعلق رہا ہے اور رہتا ہے، پھر امامِ غزالی، امام عزالدین اور امام شاطبی رحمہم اللہ تعالیٰ کے خوشہ چین ہونے کے ناطے اِس موضوع کی اہمیت اور اس کی ضرورت وافادیت کا ایک عرصہ سے اِحساس بھی تھا، لیکن موجودہ وقت میں اِس نازک موضوع کو بعض حلقوں کی طرف سے جس انداز سے اور جس قدر زور وشور کے ساتھ اُبھارا جارہا ہے، اِس میں توسط واعتدال کا پہلو عموماً برقرار نہیں رہ پاتا، جس کی وجہ سے فقہ اسلامی کے بہت سے مسائل میں بے اطمینانی اور پیچیدگی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ''مقاصد شریعت'' کے عنوان سے بہت سے مسلمہ مسائل کو قلم زد کرکے ناقابل اعتبار گردانا جاتا ہے، اسی کا بھیانک نتیجہ ہے کہ بہت سے منصوص مسائل کو بھی یہ کہہ کر بڑے آسانی اور بے دردری کے ساتھ رد کردیا جاتا ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کے ''مقاصدِ شریعت'' کیخلاف ہے جس کی وجہ سے عالم اسلام کے بعض حلقوں میں قدیم فقہی ذخیرہ سے اعتماد کا رجحان مفقود ہونے لگا ہے۔

اس لیے اہلِ علم کی خدمت میں اِس حوالہ سے چند گزارشات وتجاویز پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی، اُمید ہے کہ اگر سنجیدگی کے ساتھ اِن امور پر غور کیا جائے تو اِس عنوان سے جتنی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں جنم لے رہی ہیں، وہ ختم ہو جائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ دین وشریعت کے اُصول ومبادی، احکام ومسائل اور منصوص ومسلمہ مسائل کی قدر واہمیت کا پہلو واضح ہو جائے، یہی وہ بنیادی اہداف تھے جس کے حصول کے لیے اہلِ علم نے اِس موضوع کو ایک مستقل فن کی حیثیت میں متعارف کروایا تھا، وہ گزارشات وتجاویز یہ ہیں:

الف۔کسی چیز کے ''مقصودِ شرعی'' ہونے کا مطلب عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے تمام احکام یا چند مخصوص احکام دیتے ہوئے اِس چیز کو ملحوظ رکھا تھا اور اسی بات کے تحقق کے لیے شریعت نے یہ حکم جاری فرمایا تھا یعنی شرعی حکم کی بنیاد یہی بات تھی، اِس تشریح کے مطابق مقاصدِ شریعت مدارِ حکم ٹھہرا، اَب اگر یہ موجود ہو تو حکم بھی متوجہ ہوگا اور یہ معدوم تو حکم بھی معدوم ہوگا، اَب ظاہر ہے کہ اِس معنی میں کسی چیز کو مقصودِ شرعی ٹھہرانا اُصولِ فقہ کی اصطلاح میں استنباط وتعلیل کے مترادف ہے جوکہ اجتہاد کے بنیادی اور اہم وظائف میں سے ہے، بلکہ اجتہاد کا اصل مقصود اور لبِ لباب یہی ہے کہ منصوص مسائل میں غور وخوض کرکے اس حکم کی علت واساس دریافت کی جائے پھر اس جیسے کسی غیر منصوص مسئلہ میں وہی علت تلاش کرکے اس میں بھی وہی

حکم جاری کی جائے۔

لہٰذا اِجتہاد واستنباط کے لیے جو کچھ شرائط ووسائل درکار ہیں اور اس کے لیے جس قدر پختہ علم واستعداد کی ضرورت پڑتی ہے وہی وسائل واستعداد یہاں بھی لازم ہے اور جس طرح ہر لکھنے پڑھنے والے انسان کے لیے شرعی احکام میں اجتہاد واستنباط کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یوں ہی ''مقاصدِ شریعت'' کے تعین کرنے کا بھی اختیار نہیں، اس خدمت کے انجام دینے کے لیے محض عربی زبان وبیان سے واقفیت کسی بھی طرح کافی نہیں ہے بلکہ یہ کام اتنی نزاکت واہمیت اور دُور رَس نتائج واثرات کا حامل ہے کہ علومِ عربیت کے علاوہ باقی ضروری دینی علوم وفنون میں مہارت کا ہونا اِس کام کا فطری اور ضروری تقاضا ہے جس کے بغیر یہ کام کماحقّہ سرانجام نہیں دیا جاسکتا، خود علامہ شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجودیکہ وہ اس موضوع کے گویا مدوّن ہیں، لیکن انہوں نے بھی اپنی کتاب ''الموافقات'' کے آخر میں ''کتاب الاجتہاد'' ذکر کیا اور اس میں ہر عربی دان کے لیے اِجتہاد کا حق تسلیم نہیں کیا بلکہ تنقیحِ مناط اور تخریجِ مناط کے لیے کئی شرائط کا لحاظ رکھا خصوصاً ''مقاصدِ شریعت'' کے استنباط کے لیے ان شرائط کی رعایت رکھنے پر خوب زور دیا۔

امام عزالدین، امام شاطبی وغیرہ جن اہلِ علم نے اپنی پوری پوری زندگیاں مقاصد ومصالح کے اس فن کی آبیاری میں صرف فرمائی، انہوں نے کبھی بھی محض اس فن جاننے کو کلیدِ اجتہاد نہیں سمجھا، بلکہ مقامِ اجتہاد واستنباط حاصل کرنے کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ ایک اس فن میں مہارت پیدا کرنے کی شرط کو بھی ضروری ٹھہرایا اور پھر اس پر نظریاتی اور تطبیقی نوعیت سے مفصل کلام فرمایا کہ ائمہ مجتہدین نے کہاں تک اس کا لحاظ رکھا اور اس فن میں مہارت پیدا کیے بغیر کس طرح انسان غلطی کا شکار ہوجاتا ہے، اَب اگر دیگر تمام شرائط کی رعایت رکھے بغیر محض مقاصدِ شریعت جاننے کو مقامِ اجتہاد پر فائز ہونے کی کنجی ٹھہرایا جائے اور اسی کے بنیاد پر کسی کو دینی مسائل میں اجتہاد واستنباط کرنے کا حق تسلیم کیا جائے تو یقیناً یہ ایک بڑی گمراہی کا مقدمہ ہوگا خصوصاً جب کوئی اجتہاد کرنے کا دائرہ کار اور طریقہ کار سے بھی ناواقف ہو۔

ب۔کسی شرعی مستند دلیل کا سہارا لیے بغیر یہ فیصلہ کرنا جائز نہیں کہ فلاں بات ''مقاصدِ شریعت'' میں سے ہے یا فلاں کام ''مقصودِ شرعی'' ہے، کیونکہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا کہ کسی چیز کے مقصودِ شرعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شارع نے اَحکام دیتے وقت اِس بات کی رعایت رکھی تھی، لہٰذا کسی تسلی بخش دلیل کے بغیر کسی چیز کو مقصودِ شرعی ٹھہرانا گویا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا ہے کہ اس نے میری مزعومہ بات کا لحاظ رکھا تھا اور اس کے ظلم اور سنگینی میں شبہ نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ. مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ[النحل:

116، 117] ''اور اپنی زبانوں سے جھوٹ بنا کر نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ اللہ پر بہتان باندھو بیشک جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں انکا بھلا نہ ہوگا۔ تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' [ترجمہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ]

ج۔ اُصولیین اور مجتہدین کرام کے نزدیک شرعی احکام کی علت معلوم کرنے کے مختلف اُصول واسالیب مقرر ہیں جس میں سے بعض اسالیب اور بعض تفصیلات کے متعلق اُصولیین کا اختلاف بھی رہا ہے، امام رازی رحمہ اللہ نے علت معلوم کرنے کے لیے اپنی کتاب ''المحصول'' میں دس طرق تحریر فرمائے ہیں: نص۔ ایماء۔ اجماع۔ مناسبت۔ تاثیر۔ شبہ۔ دوران۔ سبر و تقسیم۔ طرد۔ تنقیحِ مناط۔ [نفائس الأصول فی شرح المحصول: ۴/۱۴۷] پھر ان میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ ضروری شرائط وتفصیلات ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اَب اگر ان اصول کی پابندی کرتے ہوئے کسی بات کو مقصودِ شرعی ٹھہرایا جائے اور یہ فیصلہ کرنے والا بھی اجتہاد واستنباط کے لیے درکار صلاحیت واستعداد سے بہرہ ور ہوں، تو بہت اچھا، اس کو مقصود شرعی ٹھہرانا بھی درست ہے اور اس پر غیر منصوص احکام مرتب کرنا بھی جائز ہے، اور اگر ان اصول واسالیب کی رعایت رکھے بغیر کسی بھی خود ساختہ طریقہ سے کسی چیز کو مقصودِ شرعی قرار دیا جائے تو اس پر شرعی احکام کا مدار رکھنا ہرگز درست نہیں۔

چنانچہ مقاصدِ شریعت کے موضوع پر بحث ومناقشہ کرنیوالے بعض حلقوں کا رویہ یہ ہے کہ وہ کسی بھی مناسبت کی وجہ سے ایک بات کو مقصودِ شرعی ٹھہرا دیتے ہیں اور پھر اس کی ضد میں دسیوں ثابت شدہ مسائل واحکام میں ترمیم کی مہم شروع کر دیتے ہیں، مثلاً قرآن وسنت میں کسی بات کا حکم دیا گیا یا کسی کام سے ممانعت کی گئی، اور اس میں اتفاق سے کوئی فائدہ یا نقصان کا پہلو بھی موجود ہے تو اس فائدہ کے حصول اور اس نقصان سے تحفظ کو مقصودِ شرعی ٹھہرایا اور اس کی بنیاد پر حل وترمیم کا کام شروع کیا۔ حالانکہ اُصولیین کے نزدیک محض اتنی تھوڑی بہت مناسبت سے کسی چیز کو بطورِ علت متعین نہیں کیا جاسکتا جبکہ تخریجِ مناط وغیرہ مختلف مراحل سے خوب احتیاط وچھان بین کے ساتھ اس کو گزارا نہ جائے۔

د۔ یہاں دو چیزوں کو الگ الگ سمجھنا اور ان کی جداگانہ حیثیت ومقام کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک چیز ہے علت یعنی شرعی احکام کی اصل بنیاد واساس، اور دوسری چیز ہے اسرار وحِکم، یعنی شریعت نے انسانیت کو جو کچھ احکام دیئے ہیں، ان میں کیا کچھ اسرار ورموز اور فوائد ومصالح پنہاں ہیں؟ پہلی چیز پر وجوداً وعدماً حکمِ شرعی کا مدار ہوتا ہے کہ اگر علت موجود ہو تو حکم بھی برقرار رہیگا اور علت نہیں تو متعلقہ حکم بھی معدوم، جبکہ اسرار وحِکم پر شرعی احکام کا مدار نہیں رکھا جاتا، فوائد اور حکمتوں کی تو ایک پوری کائنات ہے اور بیچاری عقل

انسانی اس پوری کائنات کا عملی احاطہ تو کیا کرے، اس کا سیر کرنا اور تمام حکمتوں تک رسائی حاصل کرنا بھی اس کے لیے مشکل اور نہایت مشکل ہے، لہٰذا اگر کسی حکم شرعی میں بظاہر کوئی حکمت و مصلحت محسوس نہ بھی ہو تو بھی محض اس کی وجہ سے حکم ٹالنا درست نہیں۔

اب اگر کوئی شخص مقاصدِ شریعت پر احکام کا مدار رکھنا چاہتا ہے اور اس کسوٹی پر حلال وحرام کے فیصلہ کرنے کا خواہاں ہے تو گویا وہ مقاصد کو علت کے مترادف سمجھتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیلِ احکام کے اُصول وضوابط کو مکمل طور پر مدنظر رکھ کر ہی کسی چیز کے مقصود شرعی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرے ورنہ تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ حکم واسرار کی ہوگی جس پر احکامِ شریعت کا مدار رکھنا بالاتفاق غلط ہے۔

مقاصدِ شریعت کے موضوع کے ساتھ اعتناء رکھنے والے مختلف اہلِ علم حضرات کے طرزِ عمل اور ان کے علمی زندگی سے بڑی حد تک جادۂ اعتدال معلوم کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ خطابی، امام غزالی، امام عزّ الدین اور علامہ شاطبی رحمہم اللہ، یہ ان حضرات کے اسماء گرامی ہیں جنہوں نے حیات زندگانی کا بڑا حصہ مقاصدِ شریعت کے استخراج واستنباط اور اس کی خدمت کی نذر کیا، اور اپنی ان ہی خدمات کے بدولت اس جیسے غیر مخدوم موضوع کو گویا ایک مستقل فن کی حیثیت دی، بالخصوص امام عزّ الدین کی ''القواعد الکبریٰ'' اور علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی ''الموافقات'' نے تو اس کو بامِ عروج تک پہنچایا، اس کے ساتھ ساتھ اگر دیکھا جائے تو ان تمام حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط علمی وعملی استعداد ولیاقت سے بھی نوازا تھا جس کی وجہ سے بہت سے معاصرین اور بیشتر متاخرین نے ان کو مجتہد تک بھی قرار دیا، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ان کا طرزِ عمل اور فتویٰ وقضاء اپنے ہم مذہب علماء کے موافق رہا اور اپنے اس وسیع علمی تجربہ اور مقاصدِ شریعت سے اچھی طرح واقفیت ومہارت کے باوجود انہوں نے جدید اجتہاد کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں فرمائی، نہ ہی ''مقاصد شریعت'' کو بنیاد پر منصوص مسائل میں ترمیم وحذف کی راہ اپنائی۔

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی نفیس کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں شرعی احکام کے جو کچھ توجیہات ومصالح لکھے ہیں، وہ بھی زیادہ تر اسرار وحِکم کے قبیل سے ہے جس پر شرعی احکام کا مدار نہیں رکھا جاسکتا، چنانچہ آپ کے ہم عصر علماء اور آپ کے بعد آنے والے مستند اہلِ علم نے ہمیشہ اس کتاب کو اسی حیثیت کے ساتھ قبول فرمایا بلکہ آپ کے گرانقدر اولاد واحفاد اور احباب وتلامذہ کا بھی یہی رویہ رہا ہے کہ شرعی احکام کے اسرار ورموز اور اس میں پنہاں مصالح وفوائد کو بیان کرنے کے لیے ان کے پاس ذخائر کے ذخائر تھے لیکن عمل، فتویٰ اور قضاء میں وہ اُصولیین اور فقہاء کرام کے اُصول وضوابط کے پابند رہتے تھے اور مقاصدِ شریعت کے عنوان سے منصوص اور متفق علیہ مسائل میں کبھی حک یا ترمیم کے درپے ہونے کی جسارت نہیں فرمائی، خصوصاً آپ کے فرزند اجمند سراج الہند حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، جن کو اللہ تعالیٰ نے

گوناگوں صفات وامتیازات سے نوازا تھا،ان کا یہی دستور رہا جوان کے فتاویٰ اور تحریرات سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بالمقابل جب آٹھویں صدی ہجری میں علامہ نجم الدین طوفی مرحوم نے مصلحت کی رعایت رکھنے پر حد سے کچھ زیادہ ہی زور دینا شروع کیا،اور''مصالح'' پر شرعی احکام کا مدار رکھنے کا موقف اختیار کیا بلکہ اس کے مقابلے میں نص کو چھوڑنے تک پر آمادگی ظاہر کی،تو جمہور اہلِ علم نے اس وقت سے لیکر آج تک ان کے موقف کی واضح طور پر تردید وتنقید کی،اور مصلحت کے باب میں اس قدر وسعت دینے کو مسترد کردیا۔

س۔کسی چیز کو مقاصدِ شریعت میں سے ٹھہرانے کے بعد اس کے حوالہ سے ہمارا طرزِ عمل اور عملی برتاؤ کیا ہونا چاہیئے؟اس کا مقاصد شریعت میں سے ہونا قطعی ہے یا ظنی؟کس حد تک اس کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے؟اور کیا اس کی وجہ سے دیگر مسائل واحکام میں کچھ ترمیم وتبدیلی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟اگر ہاں تو کس نوعیت کے مسائل میں؟صرف ظنیات میں یا منصوص وقطعی مسائل میں بھی کچھ حک یا اضافہ ہوسکتا ہے؟ اس مزعومہ مقاصد کا منصوص یا مستنبط مسائل کے ساتھ تعارض کے وقت کیا ضابطہ اختیار کیا جائیگا؟

یہ اور اس قسم کے تمام حدود وقیود کو واضح کرنا ضروری ہے، یہاں عموماً دیکھا یہ جاتا ہے کہ مقاصدِ شریعت کے عنوان کے تحت صرف غیر منصوص مسائل ہی میں حکم جاری کرنے پر اکتفاء نہیں کیا جاتا بلکہ ساتھ بہت سے منصوصی مسائل کو بھی اس بنیاد پر تختہ مشق بنایا جاتا ہے اور جہاں کہیں کوئی مسئلہ ان مزعومہ مقاصدِ شریعت کے خلاف نظر آیا تو اس مسئلہ میں ترمیم کا دروازہ کھولا،چاہے وہ مسئلہ منصوصی یا متفق علیہ کیوں نہ ہو۔

مثلاً کچھ نصوص کو دیکھ کر یہ اخذ کرلیا گیا کہ امن وامان اور انسانیت کے درمیان حریت ومساوات کو برقرار رکھنا مقصود شرعی ہے،اب قتل مرتد،شرعی حجاب،اسلامی ممالک میں کفار کا ذمی ہوکر رہنا،کفار کے ساتھ دِلی مودت ومحبت کا ممنوع ہونا،مرد کے مقابلہ میں عورت کی گواہی،دیت اور حصہ میراث کم ہونا،وغیرہ کئی مسائل چونکہ اس مزعومہ مقاصد کے معیار پر پورے نہیں اترتے،اِس لیے اب ان مقاصد کے حدود وقیود طے کرنے اور اس پر نظرِ ثانی کرنے کے بجائے ان منصوص مسائل میں ہی تبدیلی کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور اس کے لیے تاویل وتحریف کے نت نئے راستے نکالے جاتے ہیں تاکہ کسی طرح یہ مسائل ان مزعومہ مقاصدِ شریعت کے خلاف نہ رہیں۔

اسی طرح مالی معاملات اور خرید وفروخت کے بارے میں شرعی نصوص کو دیکھ کر انسانی ضروریات پوری کرنا،مالی استحصال کا سدِّ باب کرنا،مالی معاملات کے متعلق تنازعات ختم کرنے اور''ناحق'' کسی کے مال کھانے کی ممانعت وغیرہ کچھ باتوں کو ان تمام نصوص واحکام کا''مقصود'' ٹھہرایا گیا پھر اس کی بنیاد پر بیوعِ

باطلہ، بیوعِ فاسدہ اور بیوعِ مکروہہ وغیرہ کے تقریباً سینکڑوں مسائل کو ان مزعومہ مقاصد کے بل بوتے تختۂ مشق بنایا گیا اور چند ایک صورتوں کو چھوڑ کر تمام مسائل کی گنجائش دی جانے لگی، حالانکہ ان میں سے بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن کی ممانعت صرف فقہاء کرام کی مستنبط کردہ نہیں بلکہ خود نصوص میں اس کی صاف ممانعت کی گئی۔

حالانکہ اوّلاً تو کسی چیز کو مقاصدِ شریعت میں سے ٹھہرانے سے پہلے حد درجہ احتیاط وتامل کی ضرورت ہے اور پھر جب کسی بات کو یہ مقام دیا ہی جائے تو بھی ساتھ ساتھ یہ طے کرنا بھی لازم ہے کہ اس کی مقصودیت کس حد تک ہے؟ کیا شریعت کی نظر میں اس بات کی مقصودیت اس قدر اہم ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر مسائل میں بھی تبدیلی کی جائے یا نہیں؟ پہلی صورت میں پھر کس نوعیت کے مسائل میں اس کے بل بوتے تبدیلی کی جاسکتی ہے؟ ان تمام حدود وقیود کو متعین کرنے کے بعد ہی اس راہ میں کوئی قدم اٹھایا جانا چاہیے، ورنہ تو اگر اِن اُصول وضوابط کا لحاظ نہ رکھا جائے اور ہر کس وناکس کو مقاصدِ شریعت مقرر کرنے پھر اس کے تنفیذ وتطبیق کرنے میں آزادی دی جائے جیسا کہ بعض جوانب سے اس کی صدائیں بلند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو خطرہ اور قوی خطرہ ہے کہ اس معصوم سے عنوان کے تحت پوری شریعت اور احکامِ شریعت کا مبارک ذخیرہ نت نئی تحریفات وتاویلات کے ایک گلدستہ کی شکل اختیار کریگا، پھر بہت جلد شریعت قانونِ الٰہی رہنے کے بجائے بازیچہ اطفال بن جائیگی اور آئندہ آنے والے نسل کے لیے اس میں حق وباطل کی تمیز کرنا ممکن نہ رہیگا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی شرعی احکام کے اسرار ورموز پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی، اس کے مقدمہ میں آپ بڑی مناسب بات ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدارِ ثبوت شرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد ان کے امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظام کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب ان قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کیے ہوئے میں اس کو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کرسکتا ہے؟ تو کیا احکامِ شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہوگیا؟ غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں بہت سے مصالح واسرار بھی ہیں اور گو مدارِ ثبوتِ احکام کا ان پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لیے ان کا معلوم ہوجانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لیے اک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہلِ یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے لیے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے، اسی راز کے سبب بہت سے اکابر وعلماء مثل امام غزالی وخطابی وابن عبدالسلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے

کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی مذکور بھی پائے جاتے ہیں۔'' [احکام اسلام عقل کی نظر میں:۱۴۰]

مصالح ومقاصد کا کہاں، کیسے اور کس حد تک اعتبار کیا جاتا ہے؟ اس کے متعلق عالمِ عرب کے مشہور عالم شیخ عبد الوہاب خلاف رحمہ اللہ نے اپنی تحقیق کا جو کچھ خلاصہ ذکر فرمایا ہے وہ بڑی حد تک مناسب اور معتدل ہے، آپ اپنی ایک کتاب ''مصادر التشریع الاسلامی فیما لانصّ فیه'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مصلحت اور اس میں اختلاف کرنیوالے مختلف اہلِ علم کے کلام میں غور وخوض کرنے کے بعد تین باتیں بطور خلاصہ سامنے آتی ہیں:

۱۔معاملات کے باب میں جب کوئی حکم قطعی نص یا صریح اجماع سے ثابت ہو جائے تو اس سے دوسری طرف عدول کرنا درست نہیں اِلّا یہ کہ کوئی ضرورت داعی ہو، کیونکہ ضرورت کے مواقع نص کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں، لہٰذا ضرورت کے وقت اس خاص نص سے عدول کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک نص سے دوسری نص کی طرف عدول کیا جائے۔

۲۔جن مسائل کا حکم قطعی نص یا صریح اجماع سے ثابت نہ ہو تو اگر وہاں کسی منصوص یا اجماعی مسئلہ پر قیاس ہو سکے تو اسی قیاس پر عمل کیا جائیگا اور اگر قیاس سے کام نہ لیا جا سکے تو وہاں لوگوں کی مصالح کا اعتبار ہوگا، لوگوں کی مصالح سے جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت مراد ہے۔

۳۔جس ضرورت یا مصلحت کا شرعی احکام میں لحاظ رکھا جاتا ہے، ضروری ہے کہ اس کے تحقق کا فیصلہ ایسی جماعت کرے جو عادل ہو، شرعی احکام اور دنیا کے مصالح جاننے میں پوری بصیرت کی حامل ہو، اس بات کا فیصلہ کسی ایک فرد یا چند افراد کے حوالہ کرنا درست نہیں۔اسی لیے بعض اہلِ علم نے سدِ ذریعہ کے طور پر مصلحت کے باب کا ہی انکار فرمایا ہے۔'' [مصادر التشریع الاسلامی فیما لا نص فیه:۱۰۱]

مولانا شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ اُصول فقہ پر اپنے متنِ متین میں تحریر فرماتے ہیں:

''القیاسُ بمجرّد رعایة المصالح والمفاسد فاسد، الحکمُ بکون الوصفِ علّة نظرا إلی مجرّد اشتمال علی المصالح والمفاسد باطل.'' محض مصالح ومفاسد کی رعایت رکھ کر قیاس کرنا فاسد ہے، ایک وصف کے محض کسی مصلحت یا مفسدہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کو علت قرار دینا غلط ہے۔'' [الرساله فی اصول الفقه:۱۵]

مقاصدِ شریعت اور طرقِ استنباط کے حوالہ سے آج کل مختلف حلقوں کی جانب سے بہت کچھ بے احتیاطی کا رویہ سامنے آ رہا ہے اور چونکہ اس کی حیثیت بھی اُصول وبنیاد کی ہے، اس لیے اس بے احتیاطی یا بدفہمی کی وجہ سے پھر موجودہ فقہی ذخیرہ کے حوالہ سے بھی شکوک وشبہات اور بے اعتمادی کی فضاء پیدا کی جا رہی ہے جو سنگین گمراہی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اِس لیے اس موضوع پر بہت کچھ کلام کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ فہمِ سلیم اور استقامت نصیب فرمائیں۔عبید الرحمٰن......۲۹/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ ☆☆☆☆☆☆

مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۱

مروان بن حکم اور اُس کے کارنامے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

جناب محترم حضرت قاضی طاہر علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے کتاب لکھی ہے: ''سیدنا امیر مروان بن حکم رضی اللہ عنہ: شخصیت اور کردار'' کتاب میں بہت سی اچھی باتیں اور واقعی قابل اصلاح باتیں بھی لکھی ہیں، جن سے متعلق یا اختلاف کی گنجائش نہیں، یا فی الحال ہمیں تحقیق نہیں ہے۔ تو جن کی تحقیق نہیں اُن سے متعلق تو ہم بلا تحقیق کوئی بات نہیں کرتے، لیکن آپ سے یہ شکوہ ہے کہ آپ کا قلم اکابرین کے خلاف سخت انداز سے چلا ہے، مثلاً: لکھتے ہیں:

''حضرت مروان کے متعلق ایک رائے تو وہ ہے جس کا اظہار تیرہ چودہ سو سال کے بعد شاہ عبدالعزیز، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، اور علامہ انور شاہ کاشمیری نے محض تعصب ۔۔۔۔۔۔۔ کی بنیاد پر کیا ہے۔'' [سیدنا مروان بن الحکم: ۴۵۸]

''ناسمجھ و بے وقوف مؤرخین وادباء اپنے فہم وظرف کے مطابق سیدنا مروان کے خلاف باتیں گھڑتے رہتے ہیں۔'' [ص: ۵۶۰]

''حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) نے حضرت مروان کے ساتھ تعصب کی بناء ۔۔۔۔۔ آٹھ سو سال بعد ایسی توجیہ وتنبیہ جاری کی جس کا حق اللہ تعالی کے سوا کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کی تعصب وعناد پر مبنی یہ توجیہ وتنبیہ اُن کے کسی ہم فکر وہم عقیدہ اور ہم خیال ہی کو پسند آسکتی تھی۔'' [ص: ۵۳۰]

''دونوں بزرگ (مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سلیم اللہ خان) حق اور انصاف کا خون کرتے ہوئے۔۔۔ کلی طور پر سبائی پروپیگنڈے سے بری طرح متاثر ہو گئے تھے'' [ص: ۴۹۲] وغیرہ

ممکن ہے کہ اِس سختی کی یہ توجیہ ہو کہ جو غلط سمجھا اُس کے ازالے کے لیے جواباً سختی آئی، لیکن بہرحال تعصب وغیرہ جیسے حالات بھی تو دراصل دل سے تعلق رکھتے ہیں اور علیم بذات الصدور اللہ تعالی ہے، اس لیے اکابر کے متعلق ایسے جملے بھی مناسب نہ تھے، اس لیے اگر اچھی تحقیق پیش کرنے کے ساتھ دل

آزار کلموں سے بھی پرہیز کیا جاتا تو درست تحقیقات سے غلط سوچ کا مؤثر علاج کیا جا سکتا تھا، مگر دل آزار انداز زیادہ سختی پیدا کرتا ہے، یہ انداز آپ صاحب کا تقریباً ہر تحریر میں ہے۔

بہر حال ہم جتنی تحقیق کر سکے اُس کے مطابق:

(۱)......مروان بن حکم صحابی نہیں ہے، اُس کی صحابیت نہ تو سند صحیح سے ثابت ہے نہ ضعیف سے، صحابیت کے ثبوت کے لیے جو اُصول ہیں اُن میں سے ایک اصول سے بھی اُس کو صحابی ثابت نہیں کیا گیا نہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲)...... یہ بات درست معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ نے حضرت حکم کو جلاوطن نہیں کیا، نہ حضرت حکم کے کردار سے متعلق روایات صحیح ثابت ہیں۔

(۳)......مروان کے متعلق تعریفی کلمات صحیح ثابت نہیں ہیں۔

(۴)...... مروان بن حکم متغلب خلیفہ وحکمران تھا، اُس کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی۔

(۵)......مروان بن حکم حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔

(۶)......حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں حجرہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کی تھی، مگر مروان بن حکم وغیرہ وہاں تدفین سے رکاوٹ بنے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(1)......مروان بن حکم کی صحابیت کی بحث:

مروان بن حکم سے متعلق آپ نے متعدد بحثوں کو چھیڑ کر مروان بن حکم پر ہونے والے بہت سے طعن دور کر کے اُس کی ذات کی صفائی دینے کی کوشش کی ہے، آپ کی بحث کی بنیاد اِس پر ہے کہ مروان بن حکم صحابی ابن صحابی ہے، لہٰذا اُس کا دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کا حصہ ہے اور اُس پر طعن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر مروان بن حکم واقعی صحابی ہو تو اُس پر طعن و تشنیع اِسی طرح درست نہ ہوگی جس طرح کسی بھی صحابی پر طعن و تشنیع درست نہیں ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اُس کی صحابیت کسی صحیح ثبوت سے ثابت نہیں ہے۔

اور مختلف مسائل کی تحقیق میں آپ جناب کا طرز عمل یہ کہ آپ کے نظریہ کے خلاف کوئی حدیث ہو تو اگر وہ صحیح حدیث بھی ہو تو بھی اُس کو ضعیف بنانے کے لیے اِدھر اُدھر سے کمزور دلائل لاتے اور کسی بھی

بزرگ کے بے دلیل قول کو حجت بناتے ہیں، اور اگر کوئی عبارت یا روایت آپ کے نظریہ کے مطابق ہو چاہے کتنے درجے کی کمزور ہی ہو آپ اُس کو ضعف سے صرف نظر کر کے اپنی دلیل بناتے ہیں، مروان بن حکم کی صحابیت کے ثبوت میں بھی کچھ ایسا ہی حال معلوم ہوتا ہے۔

مروان بن حکم کی صحابیت کا مدار:

مروان کی صحابیت کے ثبوت کے لیے جن باتوں کو آپ زیر بحث لائے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مروان کی ولادت کب ہوئی؟ اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت مروان کی عمر کتنی تھی؟

اس بارے میں کافی حوالے دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت سیدنا مروان کی عمر کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ اُن کی سن ولادت کے حوالے سے کتب تاریخ میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، البتہ ثقہ سنی وشیعہ مؤرخین وارباب سیر اور دیگر ناقدین ومعاندین کی آراء کی روشنی میں سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے دو سال بعد والے قول پر اکثر حضرات کا اتفاق معلوم ہوتا ہے، جس کی رو سے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال یا نو سال ثابت ہوتی ہے۔'' [سیدنا مروان بن الحکم: ۵۷]

واقعی کئی محدثین ومؤرخین صرف ایک قول پر اکتفاء کرنے والے ہیں، یعنی وہ حضرات اِن متعدد اقوالِ سن ولادت میں سے ایک کو ترجیح دینے والے ہیں یعنی ہجرت کے دو سال بعد ولادت ہوئی، اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت آٹھ سال کی عمر کے تھے۔

[1] الهداية والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد، ج۲ صفحہ ۷۱۵، مولف ابونصر احمد بن محمد بخاری کلاباذی م ۳۹۸ھ، الطبقات الکبری: ۲۶/۵ امام محمد بن سعد بن منیع ہاشمی م ۲۳۰ھ، مرأۃ الزمان لسبط ابن الجوزی (م ۵۸۱ھ) ۳۵۱/۸، المعارف صفحہ ۳۵۳، مؤلف عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) البدء والتاریخ: ۱۹/۶ مؤلف مطہر بن طاہر المقدسی (م ۳۵۵ھ) تاریخ الاسلام للذہبی: ۲۲۷/۵، وغیرہ

اِس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے بچپن میں حضور ﷺ کا زمانہ پایا ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ صحابیت کا دارومدار تو اِس پر نہیں ہے کہ مروان کی ولادت حضور ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی ہو، اور اُس نے حضور ﷺ کے زمانہ کے آٹھ سال پائے ہوں، حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ اور ابو مسلم خولانی اور ابو عثمان النہدی وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی تو حضور ﷺ کا کافی زمانہ پایا ہے مگر کوئی ان حضرات کو صحابی نہیں کہتا، کیوں کہ صرف حضور ﷺ کا زمانہ پانے سے کوئی صحابی نہیں بنتا، صحابی کی تعریف منطبق ہونے سے ہی کوئی صحابی بن سکتا ہے، تو مروان پر صحابیت کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

صحابی کی تعریف:

آٹھویں صدی کے بزرگ گذرے ہیں علامہ صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ) انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے "**تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت لہ شریف الصحبة**" اس میں انہوں نے کسی ذات کے صحابی ہونے کے متعلق کافی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے۔

جس بات کے پائے جانے سے صحبت ثابت ہو کر ایسے شخص پر صحابی کا اطلاق درست ہوتا ہے، اس بارے میں کئی مذاہب ہیں:

اول:......جمہور محدثین کے نزدیک صحابی ہر وہ مسلمان ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اگرچہ ایک لحظہ کی ہو اور آپ ﷺ سے متعلق کچھ سمجھا چاہے کم یا زیادہ۔(امام احمد بن حنبل ،الکفایۃ ،امام بخاری، فتح الباری، امام ابوداؤد، سنن، شیخ ابوعمرو بن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، ابن الحاجب، المختصر)

دوم:......حضور ﷺ کو دیکھنے کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ صحبت حاصل کی ہو (یعنی کچھ وقت بیٹھا بھی ہو) چاہے ایک گھڑی بھی ساتھ بیٹھا ہو۔(آمدی، الاحکام)

سوم:......جس نے دیکھا اور طویل صحبت حاصل کی ہو۔(ابوالمظفر سمعانی، ضعیف قول)

چہارم:......طویل صحبت بھی حاصل کی ہو اور آپ ﷺ سے علم بھی حاصل کیا ہو(عمر بن یحییٰ) یہ قول مرجوح ہے۔

پنجم:......حضور ﷺ کے ساتھ ایک یا دو سال رہا ہو اور ایک یا دو غزووں میں شریک ہوا ہو(سعید بن المسیب) یہ قول بھی مرجوح ہے۔(اور سعید بن میسّب رحمہ اللہ سے صحیح ثابت نہیں، مرتب)

ششم:......قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ صحابی ہونا اور صحابیت کی فضیلت ہر اُس کو حاصل ہوگی جس نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی زندگی میں اسلام لایا، یا پیدا ہوا اگرچہ حضور ﷺ کو نہیں دیکھا چاہے یہ شرف آپ ﷺ کی وفات سے ایک گھڑی پہلے حاصل ہوا ہو،

لیکن (علامہ خلیل فرماتے ہیں) قاضی عیاض کی اس نقل میں اشکال ہے اس لیے کہ ابن عبدالبر نے ایسی کوئی تصریح نہیں کی ہے، اور قاضی عیاض نے اُن کے ذمہ یہ قول اس لیے لگایا کہ ابن عبدالبر نے حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہونے والوں کو بھی (چاہے زیارت حاصل نہ ہوئی ہو) صحابہ میں داخل کیا ہے، مگر یہ نقل درست نہیں ہے اس لیے کہ ابن عبدالبر نے خود تصریح کی ہے کہ انہوں نے احنف بن قیس اور صنابحی اور صحابہ کی اولاد کو (جب کہ وہ بہت چھوٹے تھے محض) اس لیے صحابہ میں ذکر کیا ہے تاکہ اُن کے

تذکرے سے وہ بہتر دور مکمل کرلیں جس کے خیر ہونے کا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، یعنی اُن کو صحابہ میں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرات صحابہ میں سے ہیں۔ [الاستیعاب: ۲۴/۱، مرتب]

فقد صرح ابن عبدالبر بانہ انما ادخل مثل الاحنف بن قیس والصنابحی واولاد الصحابة الذین ولدوا فی حیاتہ ﷺ ولایثبت لاحدمنھم رویة لموتہ ﷺ وھم صغار جدا لیستکمل بذکرھم القرن الذی اشار الیه النبی ﷺ بانه خیر القرون یعنی لالانھم من الصحابة (تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت له شریف الصحبة صفحه ۳۵)

آپ (قاضی صاحب) نے لکھا ہے:

''حافظ ابن عبدالبر نے تو حضرت احنف بن قیس کو محض نبی کریم ﷺ کا زمانہ پانے کی وجہ سے صحابی تسلیم کرلیا ہے حالاں کہ انہوں نے کبھی نہ نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اُنہیں دیکھا ہے۔

قد ادرك النبی ﷺ ولم یرہ ودعا له النبی علیه الصلاة والسلام فمن هناك ذكرنا فی الصحابة لانه اسلم علی عهد النبی ﷺ (الاستیعاب مع الاصابة الجزء الاول ص ۱۲۶)''

[سیدنا مروان بن الحکم: ۶۵]

حالاں کہ امام عبدالبر نے اُن کو صحابی تسلیم نہیں کیا، محض صحابہ میں ذکر کیا ہے، اور صحابہ میں ذکر کرنے کا معنی صحابی مان لینا نہیں ہے، کیوں کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ایسے کئی حضرات کو استیعاب میں ذکر بھی کیا اور اُن کو صحابی نہیں تسلیم کیا مثلاً:

ربیعہ بن عبداللہ بن الہدیر التیمی قرشی کو استیعاب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

وھو معدود فی التابعین لیکن تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ **[الاستیعاب رقم: ۷۶۱]**

ابوادریس خولانی رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا جو غزوہ حنین والے سال پیدا ہوئے مگر فرمایا:

یعد فی کبار التابعین بڑے تابعین میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ **[الاستیعاب رقم: ۲۸۳۴]**

ابومراوح الغفاری کو بھی ذکر کیا اور وہ حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے مگر فرمایا:

وھو من کبار التابعین وہ بڑے تابعین میں سے ہیں۔ **[الاستیعاب، رقم: ۳۱۶۶]**

ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کو بھی استیعاب میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس نے زمانہ جاہلیت بھی پایا ہے اور حضور ﷺ کی وفات سے پہلے اسلام قبول کیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کی۔

فھو معدود فی التابعین تو وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ **[الاستیعاب، رقم: ۳۱۷۵]**

ابوعثمان النہدی کا بھی صحابہ میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس نے حضور ﷺ کی خدمت میں (بالواسطہ) صدقات کی ادائیگی کی ہے، لیکن آپ ﷺ کی زیارت نہیں کی تو **ھو معدود فی کبار التابعین** وہ بڑے

تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔[**الاستیعاب، رقم:۳۰۸۴**]

عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا مگر فرمایا:

ھو تابعی من کبار التابعین یہ تابعی ہیں بڑے تابعین میں سے ہیں۔[**الاستیعاب، رقم : ۱۶۰۳**]

ابوعمرو الشیبانی سعد بن ایاس کو بھی صحابہ میں ذکر کیا مگر فرمایا حضور ﷺ (کے زمانہ) کو پایا ہے اور آپ ﷺ پر (اسی وقت) ایمان بھی لایا لیکن دیکھا نہیں اس لیے

معدود فی التابعین تابعین میں شمار ہوتا ہے۔[**الاستیعاب، رقم:۳۱۰۵**]

ایسے ہی جبیر بن نفیر حضرمی (الاستیعاب رقم ۳۱۴) حبیب السلمی (رقم ۴۷۷) سعید بن عیاض الثمالی (رقم ۹۵۱) الصنابح بن الاعسر الاحمسی (رقم ۱۲۴۵) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری (رقم ۱۴۳۳) ابوتمیمہ طریف بن مجالد (رقم ۲۸۸۰) رحمہم اللہ کو بھی استیعاب میں صحابہ کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے مگر یہ بھی فرمایا کہ یہ سب تابعی ہیں۔

مگر آپ کی زبان وقلم کو کون روکے؟ اگر آپ جناب فرمادیں کہ: ''یہ سب صحابی ہیں اور ابن عبدالبر اور ابن حجر عسقلانی نے اِن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔''

اور مروان بن الحکم کو بھی صحابہ میں ذکر کیا مگر اُن کو صحابی نہیں مانتے ،لیکن آپ کہتے ہیں کہ جی مروان کو بھی صحابی مان لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک حضرت مروان پر صحابی کی تعریف کے اطلاق کا تعلق ہے تو حافظ ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) نے **الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (الجزء الثالث ص ۴۲۵تا۴۲۹)** میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے **الاصابة فی تمییز الصحابة (الجزء الثالث ص ۴۷۷تا۴۷۸)** میں **القسم الثانی** کے تحت لا کر اُن کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔'' [سیدنا مروان بن الحکم:۲۶]

حالاں کہ یہ دونوں حضرات اُن کو صحابی نہیں مانتے ،محض حضور ﷺ کے دور میں پیدا ہونے کی وجہ سے اُن کو صحابہ کرام کے تذکرے پر مشتمل کتاب میں ذکر کردیا، اِس ذکر کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ اِن کو صحابی مانتے ہیں جیسا کہ علامہ خلیل بن کیلکدی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں، اِس کی مزید تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

اِن سب اقوال میں قدر مشترک یہ ہے کہ: ''صحابیت'' کے لیے کم از کم رویت (حضور ﷺ کا دیدار) شرط ہے۔

علامہ خلیل بن کیکلدی رحمہ اللہ کافی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

جن پر صحابی کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ کئی اعتبارات سے کیا جاتا ہے:

اول: وہ لوگ جن پر استعمال عرف قطعی کے اعتبار سے صحابی کا اطلاق صادق آتا ہے، ایسے حضرات جمہور صحابہ مہاجرین وانصار ہیں جو حضور ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے، ایسے ہی وہ قبائل جنہوں نے حضور ﷺ کی طرف ہجرت کی اور جہاد میں شرکت کی، یہ لوگ لاریب صحابہ میں داخل ہیں۔

دوم: جو اِن اول مصداق بننے والے حضرات کے قریب ہیں یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی اور کچھ دن آپ ﷺ کے پاس رہے اور پھر اپنے گھروں کی طرف واپس ہوگئے، (مثلاً وفد عبدالقیس، وفد ثقیف وغیرہم، وائل بن حجر، معاویہ بن حکم سلمی، جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہم) جب کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں تھوڑی سی مدت یعنی چند دن اور راتیں رہے، لیکن کچھ یاد بھی کیا اور آپ سے سیکھا، اور کئی حدیثیں روایت کیں، اِن لوگوں پر بھی صحابی کا اطلاق حقیقت عرفیہ ہے اگرچہ اِن کی صحبت کی مدت طویل نہیں ہے۔

سوم: وہ جنہوں نے معمولی سی مجلس کے ساتھ یا بیعت کے ساتھ یا کچھ دیر آپ ﷺ کے ساتھ چل کر ملاقات کی ہے اور بالغ یا تمیز والے مسلمان تھے، اور حضور ﷺ سے کچھ نہ کچھ سمجھے ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے اُن کو اپنی گود میں بٹھایا یا چہرے پر منہ سے پانی ڈالا وغیرہ، اِن پر اطلاق عرفی صحابیت کا تو نہیں ہوتا لیکن لغوی اطلاق ہوسکتا ہے، اور اِن پر صحابیت کا اطلاق بطور حقیقت نہیں ہے، لیکن ہر دور کے ائمہ محدثین نے اِن کو صحابی کہہ کر ذکر کیا اور اُن کے واقعات مسانید صحابہ میں بیان کیے اور اُن سے حجت لی ہے، تو اِن پر صحابیت کا اطلاق حقیقت لغوی ہے، استعمال عرفی نہیں ہے، ایسے ہی لوگوں میں سے حضرت طارق بن عبداللہ محاربی ہیں۔

چہارم: وہ لوگ جو حضور ﷺ کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوئے، محض دُور سے دیکھا اور آپ ﷺ سے کچھ نقل کیا یا نقل نہ کیا، جیسے ابوطفیل عامر بن واثلہ، وغیرہ جنہیں حجۃ الوداع یا غزوہ فتح مکہ یا غزوہ حنین وغیرہ میں محض زیارت حاصل ہوئی یا کوئی اپنے والد کے ساتھ تھے اور والد نے اُن کو دُور سے حضور ﷺ کی زیارت کرادی، ان حضرات پر لغوی اعتبار سے بھی صحابیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ استعمال عرفی کے اعتبار سے اطلاق ہوسکے، مگر پھر جو اِن پر صحابیت کا حکم لگایا گیا تو بس اُس شرف کی وجہ سے کہ اُنہیں حضور ﷺ کی زیارت ہوگئی، اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ حضرات اُس خیر قرن (بہتر زمانے) میں داخل ہیں جس کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے سب زمانوں سے بہتر زمانہ فرمایا، تو یہ اطلاق محض مجازی طور پر ہے نہ کہ

حقیقی طور پر۔

الرابع من لم يجتمع به ﷺ اصلاً وانماراٰه من بعيد وحكى شيئاً من افعاله اولم يحك شيئاً مثل ابى الطفيل عامربن واثلة وغيره ممن ليس له الا مجردالروية امافى حجة الوداع اوغزوة الفتح اوغزوة حنين وغيرذلك او كان مع ابيه فاراه النبى ﷺ من بعد،فلاريب فى ان الاطلاق اللغوى منتف عن هؤلاء قطعاًفضلاً عن الاستعمال العرفى، وانما اعطى هؤلاء حكم الصحبة لشرف ماحصل لهم من الروية له ﷺ ولدخولهم فى القرن الذى اثبت رسول الله ﷺ انه خيرالقرون من امته فكان ذالك على وجه التوسع المجازى لابالحقيقة والله اعلم. [تحقيق منيف الرتبة صفحه:۴۱]

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت:

یہاں ذہن میں رہے کہ علامہ خلیل نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تحقیق کے مطابق صحابی نہ ہونا بیان کیا، صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ واقعی صحابی ہیں، اُن کی صحابیت صحیح ثابت ہے، کیوں کہ وہ خود فرماتے ہیں

سمعتُ رسول الله ﷺ يقول. [الكنى والاسماء للدولابى:۲۳۲/۱، ح:۴۱۹]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوں سنا۔

خود فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آٹھ سال پائے ہیں اور غزوہ احد والے سال میری پیدائش ہوئی۔[**الطبقات الكبرى**:۱۳۰/۶،**التاريخ الاوسط**:۲۵۰/۱]

اور فرماتے ہیں:

رئيتُ رسول الله ﷺ ومابقى على وجه الارض رجل راٰه غيره.[معجم الصحابة لابن قانع:۲۴۲/۲،الاستيعاب:۱۶۹۶/۴]

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اور (اِس وقت) روئے زمین پر میرے سوا کوئی آدمی نہیں ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔

مزید علامہ خلیل فرماتے ہیں:

اِن مراتب کے بعد اُن لوگوں کو جنہوں نے آپ ﷺ کا زمانہ تو پایا لیکن آپ ﷺ کو بالکل نہیں دیکھا، ایسوں کو محض اس لیے صحابہ کرام میں شامل کرنا کہ وہ حضور ﷺ کے دور میں اسلام لائے مثلاً احنف بن قیس، ابوعبداللہ صنابحی اور اِن جیسے، تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ اُن پر صحابیت کا اطلاق بہت ہی دور ہے، کیوں کہ نہ صحبت حاصل ہوئی نہ زیارت کا شرف ملا۔

ایسے ہی صحابہ کرام کی وہ اولاد جو حضور ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ایک سال یا ایسی ہی عمر تھی اِن پر بھی کسی طرح صحابیت کا اطلاق نہیں ہوسکتا نہ حقیقت کے اعتبار سے نہ بطور مجاز۔[تحقیق منیف الرتبة لمن ثبت له شریف الصحبة]

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جس کو حضور ﷺ کی زیارت نہ ہوئی ہو چاہے آپ ﷺ کا کچھ زمانہ پایا ہو وہ صحابی نہیں کہلا سکتا، نہ لغوی اعتبار سے نہ اصطلاحی اعتبار سے، نہ حقیقةً نہ ہی مجازاً۔

کسی شخص کے صحابی ہونے کا ثبوت؟

آپ جناب ہی لکھتے ہیں:

محدثین کرام اور علمائے اسماء الرجال نے صحابی کی معرفت کے حسب ذیل طریقے یا اصول متعین کیے ہیں:

۱۔ایسا شخص جس کا صحابی ہونا تواتر سے ثابت ہو جیسے عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ۔

۲۔ایسا شخص جس کا صحابی ہونا مشہور ہو یا مشہور روایات سے ثابت ہوا گرچہ تواتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو، مثلاً ضمام بن ثعلبہ، اور عکاشہ بن محصن۔

۳۔کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ حممہ بن ابی حممہ صحابی ہیں۔

۴۔کسی صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا یا آپ ﷺ نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو فرمائی۔

۵۔اس کا صحابی ہونا تابعی کے قول سے ثابت ہو اور وہ شخص ایسے زمانے تک بقید حیات رہا ہو جس سے اس کے صحابی ہونے کا امکان پایا جاتا ہو، علماء نے یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک مقرر کیا ہے، اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، الخ[سیدنا مروان بن الحکم: ۶۴،۶۵]

مروان کی صحابیت؟

اب سوال یہ ہے کہ مروان کی صحابیت کا ثبوت کس اصول پر منطبق ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اِن پانچ اصولوں میں سے ایک اصول سے بھی مروان بن الحکم کی صحابیت ثابت نہیں ہوتی، اُس کا صحابی ہونا نہ تو تواتر سے ثابت ہے نہ ہی خبر مشہور سے، نہ کسی صحابی نے اُس کے صحابی ہونے کو بیان کیا، نہ کسی صحابی نے یہ بیان کیا کہ میں اور مروان اکٹھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یا حضور ﷺ نے میرے سامنے مروان سے گفتگو فرمائی، نہ ہی خود مروان نے حضور ﷺ کی زیارت ہونے کو یا اپنی صحابیت کو بیان کیا، نہ ہی کسی تابعی کے قول سے اُس کا صحابی ہونا ثابت ہے، تو پھر مروان بن حکم صحابی کیسے ٹھہرا؟ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

ابن احمد قسط ۴

مفتی محمد زاہد صاحب فیصل آبادی......افکار ونظریات

مشاجرات وعدالتِ صحابہ......اور......اکابر علماءِ دیوبند کی تصریحات

موصوف مولانا مفتی محمد زاہد صاحب ایک اکابر بے زار، تجدد پسند اور آزاد مزاج شخص ہیں، ان کے نزدیک اکابرِ دیوبند نام کی کوئی چیز کوئی حیثیت نہیں رکھتی، چنانچہ جب ان کے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف کسی نظریہ کی بابت اکابر دیوبند میں سے کسی بزرگ کا کوئی حوالہ دیا جاتا ہے، تو وہ اسے بالکل بے توجہی اور بے اعتنائی سے یہ کہہ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں کہ: اکابرِ دیوبند جمہور اہل السنۃ کا نام تھوڑی ہی ہے؟ جس سے بجا طور پر یہ تاثر ملتا ہے، کہ شاید اکابر علماءِ دیوبند نے ایسے خیالات وافکار اور نظریات وعقائد وضع کیے، جن کا اہل السنۃ والجماعۃ سے کوئی تعلق نہیں ہے، جبکہ یہ واضح طور پر غلط اور باطل ہے، لہٰذا ہمیں یہ امید تو ہرگز نہیں ہے کہ موصوف اکابر کی تحریرات وتصریحات کے سامنے آنے پر اپنے رائے بدل لیں گے (کیونکہ یہ ان کے مزاج وفطرت کے یکسر خلاف ہے) یا اسے کوئی اہمیت دیں گے، تاہم طالبانِ ہدایت کے لیے حقیقتِ حال کا انکشاف ضروری ہے، تاکہ ذہنی وفکری تسلی وتشفی کا کسی قدر سامان ہو سکے۔

اولاً یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ دیوبندیت کیا ہے؟ سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا تسلسل ہے یا الگ تھلگ ایک نیا فرقہ ہے؟ اگر اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا تسلسل ہے تو اس کے نظریات وعقائد بھی اہل السنۃ کے مطابق وموافق ہوں گے اور اگر یہ کوئی جدا فرقہ ہے تو مولانا موصوف حق بجانب ہیں۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے مفکر اسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم رقم طراز ہیں:

''علمائے دیوبند کوئی ایسا فرقہ یا جماعت نہیں ہیں جس نے جمہور امت سے ہٹ کر فکر وعمل کی کوئی الگ راہ نکالی ہو، بلکہ اسلام کی تشریح وتعبیر کے لیے چودہ سو سال میں جمہور علماءِ امت کا جو مسلک رہا ہے وہی علماءِ دیوبند کا مسلک ہے۔ دین اور اس کی تعلیمات کا بنیادی سرچشمہ قرآن وسنت ہیں اور قرآن وسنت کی تمام تعلیمات اپنی جامع شکل وصورت میں علمائے دیوبند کے مسلک کی بنیاد ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی کوئی بھی مستند کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں جو کچھ لکھا ہوگا، وہی علمائے دیوبند کے عقائد ہیں، حنفی فقہ اور اصولِ فقہ کی کسی بھی مستند کتاب کا مطالعہ کر لیجیے اس میں جو فقہی مسائل واصول درج ہوں گے، وہی علمائے دیوبند کا فقہی مسلک ہیں......غرض دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں علمائے دیوبند اسلام کی

معروف ومتوارث تعبیراوراس کے ٹھیٹھ مزاج ومذاق سے سرِمواختلاف رکھتے ہوں۔''[علماءِ دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، پیش لفظ،ص:۷،۸،ادارہ اسلامیات،لاہور]

نیز حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''علماءِ دیوبند اپنے دینی رخ اور مسلکی مزاج کے لحاظ سے کلیۃً اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، نہ وہ کوئی نیا فرقہ ہے، نہ نئے عقائد کی کوئی جماعت ہے، جسے وقت اور ماحول نے پیدا کر دیا ہو، اس لیے اس ملک اور بیرونِ ملک میں یہی ایک جماعت ہے، جس نے اہل السنۃ والجماعۃ کے معتقدات اوران کے اصول و قوانین کی کما حقہ حفاظت کی اور ان کی تعلیم دی، جس سے اہل السنۃ والجماعۃ کا وجود قائم ہے اور جسے مؤسسین دارالعلوم دیوبند نے اس کے اصلی اور قدیم رنگ کے ساتھ اپنے تلامذہ اور واسطہ بلاواسطہ تربیت یافتوں کے ذریعہ پھیلایا اور عالمگیر بنادیا۔''[علماءِ دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج:۲۳]

دیوبند کی بلند نسبت رکھنے والے ان دو بزرگوں کی اس وضاحت سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ علماءِ دیوبند، ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہی کا نسبتی نام ہے، اوران کے عقائد ونظریات اور تعلیمات وتعبیرات اور تشریحات بعینہ سنیت کا نام ہے، لہٰذا ان سے انحراف اور اعراض سنیت سے کنارہ کشی اور منہ موڑنا ہے، اس تمہید کی روشنی میں مسئلہ مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوران کی عدالت میں اکابر علماءِ دیوبند کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ:

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ رقم پرداز ہیں:

''اس تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ یا شکررنجی نہ موجبِ کفر ہے جیسے اکثر شیعہ کہتے ہیں، نہ موجبِ فسق ہے، تو خدا لوگوں سے کیوں راضی ہوتا، اس لیے کہ وہ خود فرماتا ہے:

''ان اللّٰہ لایرضی عن القوم الکافرین، ان الله لا یرضیٰ عن القوم الفاسقین''۔

[ھدیۃ الشیعۃ:۱۰۸،نعمانی کتب خانہ،لاہور]

''اورحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں اور نہ ناخلف ہیں، ہاں فضیلتِ صحبت اور بزرگی صحابیت اوراخوۃ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی، اوراس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں، جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے، کیونکہ خداوندِ کریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے: **''یَوْمَ لا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِینَ آمَنُوا مَعَهُ ''** جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا، سو جو کوئی اس پر بھی ان کو رسوا کرنا چاہے، وہ خدا کا مقابل ہے، ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں، اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام، امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسی اور حضرت خضر میں یہ جھگڑے قضیے ہوئے، یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں، انکار کی گنجائش نہیں......مناقشاتِ صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں، نہ حدیث میں ذکر ہے، تاریخوں میں ان افسانوں کا بیان ہے، سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار، اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو باوجود مناقشاتِ معلومہ برا نہیں کہتے، اگر ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا؟

[اجوبۂ اربعین: ۱۸۷، ط: نصرۃ العلوم گجرانوالہ]

مزید ارقام فرماتے ہیں:

''اس تقریر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بابت قتل محمد بن أبی بکر اگر اعتراض ہے یا بہ نسبتِ محاربات حضرت امیر رضی اللہ عنہ کچھ طعن ہے وہ بھی مندفع ہوگیا، بالجملہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے، طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا، جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے دست وگریبان ہونے اور ہاتھاپائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا، رہا جملہ ''حربك حربی ''اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ جان بوجھ کر نہ بوجہ غلط فہمی''۔[أیضاً: ۳۶۷]

آخر جملہ سے ظاہر ہے کہ یہاں حضرت کی مراد غلطی سے غلط فہمی اور خطائے اجتہادی ہے اور قصور سے مراد محض خطا اور عمداً غلطی ہے۔

تبصرہ: ان عبارات میں جہاں اس مودودی موقف کی تردید ہے جس پر مولانا مفتی محمد زاہد صاحب گامزن ہیں وہیں پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی کے بودے الزامات کی حقیقت بھی آشکار ہوجاتی ہے، حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اس عبارت کے ہوتے ہوئے پروفیسر قاضی طاہر الہاشمی کا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو ناقدینِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں شامل وشمار کرنا تعصب اور کم فہمی کی دلیل ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز انشاء پرداز ہیں:

''الحاصل قرآن شریف اور أحادیثِ عترت سے ثابت ہوا کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم عدول مقبول تھے، نہ کوئی منافق تھا، نہ مرتد ہوا۔ مگر وہی چند رجال جنہیں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی منافق پہچانتے تھے، اور جو کچھ بعض سے حربِ حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ یا کچھ اور بشریت بخطاءِ اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورتِ معصیت ہے نہ خود معصیت، چنانچہ اہل عقل وعلم پر واضح ہے اور اگر بالفرض گناہ ہی تھا تو وہ انجام کار اس سے تائب اور نادم ہوکر پھر درجۂ عدالت کو فائز ہوگئے کیونکہ وہ کچھ معصوم گناہ سے نہیں تھے، سو اب صحابہ رضی اللہ عنہم کا برا جاننے والا ملتِ اسلامیہ سے خارج ہوا اور قرآن کا منکر اور جو کل کو اچھا جانے متبع ثقلین ہے، داخل ملتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم......اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ہوا

تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں؟، ذرا کوئی کتابِ اہل السنۃ کی دیکھی ہوتی، اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں، مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خطاء کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے جیسا تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے''۔[هداية الشيعة، مع تالیفاتِ رشیدیہ: ۵۵۰، ادارہ اسلامیات، لاہور]

تبصرہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے (کمازعم البعض) کہ شاید حضرت گنگوہی رحمہ اللہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل وخطائے اجتہادی کو ''گناہ'' فرمارہے ہیں۔تو یہ بطور فرض اور علی سبیل التسلیم ہے کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے شروع میں ہی تحریر فرمایا ہے کہ یہ خطائے اجتہادی ہے، صورتاً معصیت، حقیقتاً معصیت نہیں ہے، چنانچہ قائدِ اہل السنۃ والجماعۃ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور فرض یہ لکھا ہے کہ اگر بالفرض گناہ ہی تھا، ورنہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجتہاد پر مبنی تھے، اور اجتہادی اختلاف میں صواب وخطا کا تقابل ہوتا ہے نہ کہ گناہ وثواب کا''۔[خارجی فتنہ: ۱/۳۶۲، ادارہ مظہر التحقیق، لاہور، ۲۰۱۱ء]

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

مسئلہ مبحوث عنہا سے متعلق حکیم الامت مجددِ ملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات وملفوظات ملاحظہ ہوں۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک صاحب کے سوال پر حضرت نے فرمایا کہ انتہائی بات تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گناہ ہوگیا اور فرض کرلو کہ گناہ بھی کبیرہ ہوا مگر اب فیصلہ یہ کرو اگر کسی صحابی سے گناہ سرزد ہوجائے تو ہمیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ کیا ان کی بدگوئی اور غیبت جائز ہوجائے گی؟، دیکھو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا گناہ کبیرہ یعنی زنا پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ان پر سزائے رجم جاری کرنا مخصوص احادیث سے ثابت ہے، مگر جب ایک صحابی نے حضرت ماعز کی غیبت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا۔'' [مجالس حکیم الامت: ۱۶۴، ط: دارالاشاعت، ۱۹۷۶ء]

نیز حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''باقی ہمارے وہ سب بڑے اور بزرگ ہیں، ایک باپ ہیں تو دوسرے چچا ہیں، اگر کچھ غلطی ہے تو چچا کی غلطی بھتیجے کو پکڑنا نہیں چاہیے (یہ الگ بات ہے کہ مولانا مفتی محمد زاہد صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہم بھائی بھائی کہنے پر برہم وناخوش ہوتے ہیں، اس پر آگے چل کر ان شاء اللہ بات کریں گے، ابن احمد) ان کے اختلاف میں تاویل کریں گے، وہ تاویل یہ ہے کہ کسی طرف غلطی اجتہادی ہوگئی جس میں مجتہد معذور ہوتا ہے اور یہ یقینی ہے کہ دونوں میں سے کسی نے ہوائے نفسانی سے ایسا نہیں کیا، شاید کوئی کہے کہ

جیسے ان کی بزرگی کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور کسی پر طعن نہ کیا جاوے، اسی طرح وہی بزرگی اس کی بھی تو موجب ہے کہ ان کی غلطی کی سزا بھی تو بڑی ہو کیونکہ بڑوں کی غلطی اور ان کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے، لہٰذا اس سزا کا ذکر کر کے طعن کرنے میں کیا حرج ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ کیا تھوڑی سزا ہے کہ ہم ناپاک منہ سے ان حضرات کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ان سے غلطی اجتہادی ہوگئی، ہمارے لیے تو یہ بھی چھوٹا منہ بڑی بات ہے، اس سے آگے تم جزا و سزا کے تخمینے لگانے والے کون ہو؟ جہنم تمہاری ملک نہیں، جس کی ملک ہے وہ جانیں، سو ان کی سن لیجیے، جہنم جن کی ہے وہ اپنے رسول کی زبان سے فرماتے ہیں: ’’**طوبیٰ لمن رآنی و آمن بی** ‘‘اور فرماتے ہیں: ’’**لاتمسّ النارُ من رآنی** ‘‘ وہ تو ان کو جہنم سے بری فرماتے ہیں اور آپ ان کے لیے سزائیں تجویز کریں، مدعی سست گواہ چست۔ ہمیں اس معاملہ میں گفتگو نہ کرنا چاہیے، جب خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون میں رنگین ہونے سے بچا لیا تو ہم پاگل ہیں کہ اپنی زبان کو ان کی تحقیر سے گندہ کریں...... یہ تو جواب تحقیقی ہے اور جواب الزامی یہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جس تاریخ میں ذکر ہو وہ تاریخ غلط ہوگی، تاریخ کی صحت پر کون سی وحی آچکی ہے؟، بلکہ وحی تو اس کے خلاف پر ہے، حق تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں ’’**رُحَمَاءُ بَیْنَھُم** ‘‘ رحماء میں کہیں جنگ جدال بھی ہوتی ہے، الغرض ہم کو ان قصوں میں پڑنا نہ چاہیے، ہمارا منہ تو ان حضرات کے سامنے ایسا ہے کہ اس سے ان کی مدح کے بھی لائق نہیں۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

جب ان کی مدح کے لائق بھی ہماری زبان نہیں تو قدح کی لائق تو کہاں۔ صحابہ ایسے لوگ نہ تھے جن کی طرف بدگمانی کی جاوے، کوئی ان میں سے دوسرے سے بڑا بننا نہ چاہتا تھا، تکبر تو ان حضرات کے پاس بھی نہ تھا، جو جڑ ہے نااتفاقی کی ان میں نزاع کی وجہ تکبر یقیناً نہ تھی، بس ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی غلطی اجتہادی ہوگی جس میں دونوں فریق معذور ہیں۔‘‘ [خطباتِ حکیم الامت: ۱۲۱/۱۸]

اس سے ملتا جلتا مضمون آپ کے وعظ ’’تحقیق الشکر‘‘ [خطبات حکیم الامت، ۳۷۸/۲۱] میں بھی موجود ہے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سوالات کا جواب چند اُصولی مقدمات قائم کر کے تحریر فرمایا، چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

” (مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو

تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا : **اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا** ،(اے اللہ! تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر چہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کی روحانی وقلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اوران کی نسبتِ باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اجماعِ امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبد العزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جن پر سوار ہوکر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگر چہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہوجاتا ہے مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے، حقیقۃً نہیں ہے، حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا، ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا...... اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہوکر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہوسکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو، کیوں نہیں ہوسکتا؟ اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں سے جنگ وجدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہوسکتا؟ اور اگر حضرت موسیٰ کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کیوجہ سے تیز ہوسکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علی اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہوسکتا؟ ہر دو ابناءِ عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرطِ عقیدتِ اہل بیت میں آکر ہر دو مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہوجاتے ہیں، مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں......(اس کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالی نے خاندانِ بنو ہاشم وبنو امیہ کی کے عروج اور زیر اسلام آنے کی پوری تفصیل تحریر فرما کر آخر میں تحریر فرمایا ہے:) خلاصہ یہ ہے کہ بنی امیہ اگر چہ سر جھکانے پر مجبور ہوگئے ہیں مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم

دائم ہے، اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین وحسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں، الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا جتنا اہل تاریخ اور اَبناءِ زمان ظاہر کرتے ہیں......(یزید کی ولی عہدی سے متعلق مشہور مودودی شیعی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے فرماتے ہیں:) ایک وہ شخص کہ جو فقیہ فی الاسلام ہے حسبِ دعواتِ مستجابہ ہادی ومہدی ہے،'' **وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً** '' کا مصداق اور'' **وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ** '' کا مظہر، **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** اور **أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ** الحدیث، **اللّٰه اللّٰه في أصحابي لاتتخذوهم من بعدي غرضاً**، وغیرہ احادیث وآیات کا مورد ہے کیا وہ کسی مجاهر بالفسق و العصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کرسکتا ہے؟......بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسنِ ظن جس کے لیے نصوصِ متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جاسکتا......**قوم طهّر اللّٰه سيوفنا عن دمائهم فلنطهّر ألسنتنا عن أعراضهم**، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:'' **وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم** '' کا مصداق میں اور معاویہ ہوں، غور فرمایئے''۔[مکتوباتِ شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۸۸، ۲۴۲/۱ تا ۲۵۲، مکتبہ دینیہ، دیوبند]

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مکتوبِ سامی آپ کے تلمیذِ رشید ترجمانِ مسلکِ اہل السنۃ مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب'' **معارف مدنی**''[ص:۱۰۳، طبع جدید مکتبہ الحسن لاہور] میں بھی درج فرمایا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے''مقام صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے مایۂ فخر اور بے مثال کتاب تالیف فرمائی، جو درحقیقت مولانا مودودی اور ان کے متبعین کا مہذب اور متین رد ہے، اس کتاب مستطاب میں حضرت قدس سرہ نے مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عدالتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلکِ اعتدال کا اثبات کیا ہے، جو صاحبانِ دیدہ ودل کے لیے سرمۂ بصیرت ہیں، چند اقتباسات طالبانِ راہِ ہدایت کے لیے مفید ہوں گے، ان شاء اللہ۔

تحریر فرماتے ہیں:

''پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ معرفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

تو علمِ حدیث کا اہم جزء ہے، جیسا کہ مقدمہ ''اصابہ'' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اور مقدمہ ''استیعاب'' میں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام اور باہمی تفاضل و درجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلے کو علماءِ امت نے عقیدے کا مسئلہ قرار دیا اور تمام کتبِ عقائدِ اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے، ایسا مسئلہ جو عقائدِ اسلامیہ سے متعلق ہے اور اسی مسئلے کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہے، اس کے فیصلے کے لیے بھی ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص اور اجماعِ امت جیسی شرعی حجت درکار ہیں، اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اُصولِ تنقید پر پرکھ کر لینا واجب ہے، اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا، اصولی اور بنیادی غلطی ہے، وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علماءِ حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں، ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے، جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کر دینے کا عام دستور ہے......اگر کوئی روایت ذخیرۂ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کو مجروح کرتی ہو تو وہ بھی قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ اور اجماعِ امت کے مقابلے میں متروک ہوگی، تاریخی روایات کا تو کہنا کیا ہے۔'' [ص ۲۹،۳۱، طبع جدید، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء]

حدیث النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم ''**اللّٰہ اللّٰہ فی أصحابی ......الخ** '' کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''یہ حدیث ان حضرات کی تنبیہ کے لیے کافی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بناتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کو دیکھنے والا ان سے بدگمان ہوجائے یا کم از کم ان کا اعتماد اس کے دل میں نہ رہے، غور کیا جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کے حکم میں ہے۔'' [ص:۴۶]

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا الفاظ پر مولانا سید سلمان ندوی اور مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کو غور کرنا چاہیے۔

بابت مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''ان (مشاجرات، ناقل) میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے، دوسرا خطاء پر، اس خطاء و صواب کے معاملے کو طے کرنا عمل وعقیدہ کے لیے ضروری ہے، مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم واحترام کیسے قائم رکھا جاسکتا ہے؟ جس کو خطاء پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازم امر ہے، جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطاء یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے، اسلافِ امت نے اِن دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلّمہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا، لیکن جس قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس

سے ان کی تنقیص ہوتی ہو، خصوصاً مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگِ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے، ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر تھے، اسی طرح جنگِ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خطاء پر، البتہ ان خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہوگئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے، ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے، باجماعِ امت ان حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے، جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔ اس طرح ایک طرف خطاء وصواب کو بھی واضح کردیا گیا، دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام اور درجے کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا، اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کفِ لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی کہ بلا وجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں۔" [ص:۷۳، ۷۴]

تبصرہ: حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا عبارت سے اہل السنۃ والجماعۃ کا معتدل و متوازن مسلک و مذہب بالکل صاف ہوجاتا ہے جو پروفیسر قاضی طاہر ہاشمی اور مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے افکار واوہام کے مابین ہے۔

بعدازاں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تفسیر قرطبی سے مفصل بحث نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"غور کیا جائے تو یہی ارشادات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا، بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لیے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق وباطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیے بیک وقت شہادت کی پیش گوئی نہ فرمائی جاتی...... دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد ورائے کی بناء پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح ومطعون نہیں کیا جاسکتا۔" [ص:۸۰]

نیز تحریر فرماتے ہیں:

"ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ناقل) کے معصوم نہ ہونے اور شاذ ونادر گناہ کے صدور کے باوجود ان کے متعلق امت کا یہ عقیدہ قرار پایا کہ ان کی طرف کسی عیب وگناہ کی نسبت نہ کریں، ان کی تنقیص وتوہین کے شائبہ سے بھی گریز کریں، ان کے درمیان جو باہمی اختلافات اور مقاتلہ تک کی نوبت آئی ان مشاجرات میں اگرچہ ایک فریق خطاء پر، دوسرا حق پر تھا اور علمائے امت کے اجماع نے ان مشاجرات میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا حق پر ہونا اور ان کے بالمقابل جنگ کرنے والوں کا خطاء پر ہونا پوری صراحت و

وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا، لیکن ساتھ ہی قرآن وسنت کی نصوصِ مذکورہ کی بناء پر اس پر بھی کا اجماع و اتفاق ہوا کہ جو فریق خطاء پر بھی تھا، اس کی خطاء اولاً اجتہادی تھی جو گناہ نہیں، بلکہ اس پر ایک اجر ملنے کا وعدہ حدیثِ صحیح میں مذکور ہے، اور اگر قتل وقتال اور جنگ کے ہنگاموں میں کسی سے واقعی کوئی لغزش اور گناہ ہوا بھی ہے تو وہ اس پر نادم وتائب ہوئے، جیسا کہ اکثر حضرات سے ایسے کلمات منقول ہیں۔......جن حضرات کے اتفاقی گناہوں اور خطاؤں کو بھی حق تعالیٰ معاف کر چکا تو اب کسی کو کیا حق ہے کہ ان گناہوں اور خطاؤں کا تذکرہ کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرے اور اس مقدس گروہ پر امت کے اعتقاد واعتماد میں خلل ڈال کر دین کی بنیادوں پر ضرب لگائے، اس لیے سلف صالحین نے عموماً ان معاملات میں کفِ لسان اور سکوت کو ایمان کی سلامتی کا ذریعہ قرار دیا۔ باہمی حروب کے درمیان ہر فریق کے حضرات کی طرف جو باتیں قابلِ اعتراض منسوب کی گئیں، ان کے بارے میں وہ طریقہ اختیار کیا جو عقیدۂ واسطیہ کے حوالے سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ ان قابلِ اعتراض باتوں کا بیشتر حصہ تو کذب وافتراء ہے جو روافض وخوارج اور منافقین کی روایتوں سے تاریخ میں درج ہو گیا ہے، اور جو کچھ صحیح بھی ہے تو وہ بھی گناہ اس لیے نہیں کہ اس کو انہوں نے اپنے اجتہاد سے جائز بلکہ دین کے لیے ضروری سمجھ کر اختیار کیا، اگر چہ وہ اجتہاد ان کا غلط ہی ہو مگر پھر بھی گناہ نہیں اور اگر کسی خاص معاملے میں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خطاءِ اجتہادی ہی نہیں، واقعی گناہ کی بات ہے تو ظاہر ان حضرات کے خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے یہ ہے کہ انہوں نے اس سے توبہ کر لی، خواہ اس کا اعلان نہ ہوا ہو اور لوگوں کے علم میں نہ ہو، اور بالفرض یہ بھی نہ ہو تو ان کے حسنات اور دین کی خدمات اتنی عظیم ہیں کہ ان کی وجہ سے معافی ہو جانا قریب بہ یقین ہے، البتہ بعض حضرات نے روافض وخوارج اور منافقین کی شائع کردہ روایات سے عوام میں پھیلنے والی غلط فہمی دور کرنے کے لیے مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کلام کیا ہے، جو اپنی جگہ صحیح ہے، مگر پھر بھی وہ ایک ''**مزلة الأقدام**'' ہے، جس سے صحیح سالم نکل آنا آسان کام نہیں ہے، اس لیے جمہور امت اور اتقیائے سلف نے اس کو پسند نہیں فرمایا،......مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم وأرضاہم کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جن میں یہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم گزرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن وسنت میں ان کی مدح وثناء اور رضوان خداوندی کی بشارت اس کو مقتضی ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اس کو معاف قرار دے کر ان کے معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسرِ شان ہوتی ہو، یا جو ان کے لیے سببِ ایذاء ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء ہے، بڑا بد نصیب ہے وہ شخص جو اس معاملے میں محقق، مفکر، بہادری کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ الزام ڈال دے۔'' [ص: ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۹]

اب کچھ اقتباسات حضرت مفتی صاحب کی شہرہ آفاق تفسیر ''معارف القرآن'' سے ملاحظہ فرمائیں۔

''یہیں سے اہل السنۃ والجماعۃ کے اس عقیدہ اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں، ان سے بڑے گناہ بھی ہوسکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں، لیکن اس کے باوجود امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے، جب اللہ تعالیٰ اور اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو (رض) ورضوا عنہ کا مقام عطا فرمایا، تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان غنی اور بعض صحابہ کرام پر غزوہ احد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔[صحیح بخاری]

اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی کتابیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان پر طعن واعتراض سے پرہیز واجب ہے، عقائد نسفیہ میں ہے: **و یکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر،** یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کرے۔

شرح مسامرہ ابن ہمام میں ہے: **اعتقاد أھل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ و الثناء علیھم،** یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدول وثقہ سمجھیں، ان کا ذکر مدح وثناء کے ساتھ کریں۔

شرح مواقف میں ہے: **یجب تعظیم الصحابۃ کلھم و الکف عن القدح فیھم،** یعنی تمام صحابہ کی تعظیم واجب ہے، اور ان پر طعن واعتراض سے باز رہنا واجب ہے۔ [۲/۲۱۲،۲۱۳]

نیز تحریر فرماتے ہیں:

''تنبیہ: جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بناء پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوسکیں، وہ اپنے آپ کو ایک خطرناک راستہ پر ڈال رہے ہیں، نعوذ باللہ منہ۔'' [معارف القرآن: ۴/۴۵۰، ادارۃ المعارف، کراچی]

''صحابہ کرام کا مقام قرآن وحدیث سے پہچانا جاتا ہے تاریخی روایات سے نہیں'' کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام عام امت کی طرح نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہیں، ان کے بغیر نہ امت کو قرآن پہنچنے کا کوئی راستہ ہے

اور نہ معانی قرآن اور تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، اس لیے اسلام میں ان کا ایک خاص مقام ہے ان کے مقامات کتب تاریخ کی رطب ویابس روایات سے نہیں پہچانے جاتے، بلکہ قرآن وسنت کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش اور غلطی بھی ہوتی ہے تو اکثر وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے جس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ حسبِ تصریح احادیثِ صحیحہ ایک اجر ہی ملتا ہے اور اگر فی الواقع کوئی گناہ ہی ہوگیا تو اول وہ ان کے عمر بھر کے اعمال حسنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی نصرت و خدمت کے مقابلہ میں صفر کی حیثیت رکھتا ہے، پھر ان میں خشیت اور خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے گناہ سے بھی لرز جاتے اور فوراً توبہ کرتے اور اپنے نفس پر اس کی سزا جاری کرنے کے لئے کوشش کرتے تھے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا اور جب تک توبہ قبول ہوجانے کا یقین نہ ہوجائے بندھا کھڑا رہتا تھا اور پھر ان میں سے ہر ایک کی حسنات اتنی ہیں کہ وہ خود گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں، ان سب پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کی مغفرت کا عام اعلان اس آیت میں اور دوسری آیات میں فرمادیا اور صرف مغفرت ہی نہیں بلکہ **رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ** فرما کر اپنی رضا کی بھی سند دیدی، اس لئے ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کی وجہ سے ان میں سے کسی کو برا کہنا یا اس پر طعن وتشنیع کرنا قطعاً حرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق موجبِ لعنت اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، نعوذ باللہ منہ۔ آج کل تاریخ کی جھوٹی سچی، قوی ضعیف روایات کی بناء پر جو بعض لوگوں نے بعض حضرات صحابہ کو موردِ طعن والزام بنایا ہے، اول تو اس کی بنیاد جو تاریخی روایات پر ہے وہ بنیاد ہی متزلزل ہے اور اگر کسی درجہ میں ان روایات کو قابل التفات مان بھی لیا جائے تو قرآن وحدیث کے کھلے ہوئے ارشادات کے خلاف ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، وہ سب مغفور ہیں۔

صحابہ کرام کے بارے میں پوری امت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم، ان سے محبت رکھنا، ان کی مدح وثناء کرنا واجب ہے اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کے معاملے میں سکوت کرنا، کسی کو موردالزام نہ بنانا لازم ہے، عقائد اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں، امام احمد کا رسالہ جو بروایت اصطخری معروف ہے اس کے بعض الفاظ یہ ہیں: **لا یجوز لأحد أن یذکر شیئا من مساویھم ولا یطعن علیٰ أحد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذلک وجب تادیبه.** [شرح العقیدۃ الواسطیۃ معروف بہ الدرۃ المضیئۃ: ۳۸۹] ''کسی کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کی کسی برائی کا ذکر کرے، یا ان میں سے کسی پر طعن کرے یا کوئی عیب یا نقصان ان کی طرف منسوب کرے اور جو ایسا کرے اس کو سزا دینا واجب ہے۔''

اور ابن تیمیہ نے الصارم المسلول میں صحابہ کرام کے متعلق فضائل وخصوصیات کی بہت سی آیات اور روایات حدیث لکھنے کے بعد لکھا ہے: **وھذا مما لا نعلم فیه خلافا بین أھل الفقه والعلم من**

أصحاب رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) والتابعين لهم بإحسان وسائر أهل السنة والجماعة، فإنهم مجمعون علىٰ أن الواجب الثناء عليهم و الاستغفار لهم والترحم عليهم والترضى عنهم و اعتقاد محبتهم وموالاتهم وعقوبة من اساء فيهم القول.'' جہاں تک ہمارے علم میں ہے ہم اس معاملہ میں علماء، فقہاء، صحابہ وتابعین اور تمام اہل السنۃ و الجماعۃ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پاتے کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ امت پر واجب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کی مدح وثناء کرے اور ان کے لئے استغفار کرے اور ان کو اللہ کی رحمت ورضا کے ساتھ ذکر کرے، ان کی محبت اور دوستی پر ایمان رکھے اور جو ان کے معاملہ میں بے ادبی کرے اس کو سزا دے۔''

اور ابن تیمیہ نے شرح عقیدہ واسطیہ میں تمام امت محمدیہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے متعلق لکھا ہے:

ويمسكون عما شجر بين الصحابة ويقولون هذه الآثار المروية فى مساويهم منها ما هو كذب و منها ما زيد فيها ونقص و غير وجهه والصحيح منه هم فيه معذورون، إما مجتهدون مصيبون وإما مجتهدون مخطئون، وهم مع ذلک لايعتقدون أن كل واحد من الصحابة معصوم من كبائر الإثم وصغائره، بل يجوز عليهم الذنوب فى الجملة ولهم من الفضائل و السوابق ما يوجب مغفرة ما يصدر منهم حتى أنهم يغفرلهم من السيئات مالا يغفر لمن بعدهم. ''اہل السنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں ان اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آئے اور کہتے ہیں کہ جو روایات ان میں سے کسی پر عیب لگانے والی ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض تو بالکل جھوٹ ہے اور بعض میں کتر بیونت کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے اور جو کچھ صحیح ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ (انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اجتہاد سے کیا) اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے (تو دوہرے ثواب کے مستحق تھے) یا خطاء پر تھے (تو معذور اور ایک ثواب کے مستحق تھے) ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے، مگر ان کے فضائل اور اسلام کی عظیم الشان خدمات ایسی ہیں جو ان سب کی مغفرت کی مقتضی ہیں یہاں تک کہ ان کی مغفرت ومعافی اتنی وسیع ہوگی جو امت میں دوسروں کے لئے نہ ہوگی۔'' [معارف القرآن: ۸/ ۲۹۹ تا ۳۰۱]

علاوہ ازیں حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے عربی میں مسئلہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق ایک زبردست مقالہ بنام ''**موقف أهل الإنابة فى مشاجرات الصحابة رضى الله عنهم**'' تحریر فرمایا جو احکام القرآن (جز رابع، ۲۵۸، ادارۃ القرآن، کراچی) میں شامل ہے، جس میں تقریباً یہی مذکورہ بالا مباحث مذکور ومسطور ہیں، جو سرمۂ ہدایت ہیں، اہلِ علم وہاں رجوع فرمائیں۔ (جاری۔۔)

مفتی رب نواز، احمد پور شرقیہ

مقتدی کی نماز بغیر فاتحہ کے ہو جاتی ہے

علمائے غیر مقلدین کا اعتراف

ازروئے قرآن وحدیث علمائے احناف کی تحقیق یہ ہے کہ: نماز جہری ہو یا سری مقتدی کو سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے، اس کا کام امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنا ہے۔ جب کہ اس کے بالمقابل غیر مقلدین کا عام دعویٰ یہی ہے کہ ہر نمازی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، جو شخص نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی، اس کی نماز باطل ہے وغیرہ۔ بعض نے تو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو منکرِ حدیث اور بے ایمان قرار دیا ہے۔ حوالہ جات مضمون کے آخر میں آرہے ہیں۔

بہر حال یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ غیر مقلدین عرصہ دراز سے اگر چہ یہی کہتے آئے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی مگر اب اُن کے متعدد علماء نے تسلیم کرلیا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے، باطل نہیں۔ بعض نے تو حلفیہ گواہی دے دی کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھے اور بعض نے صراحۃً لکھ دیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منسوخ ہے اور پھر اسے ’’**صفۃ صلوٰۃ النبی**‘‘ یعنی نمازِ نبوی قرار دے کر شائع کیا۔

اسی طرح اب غیر مقلدین کے بہت سے علماء یہ بھی مانتے ہیں کہ جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پالے تو اس کی وہ رکعت ہوگئی۔ صاف ظاہر ہے جو نمازی رکوع میں آکر شامل ہوتا ہے وہ فاتحہ تو نہیں پڑھتا مگر آلِ غیر مقلدیت کے چیدہ علماء کے فتوے موجود ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت ہو جاتی ہے۔ رکوع پا لینے سے رکعت کے ہو جانے پر غیر مقلدین کی عبارات تو کسی دوسرے مضمون میں جمع کی جائیں گے ان شاء اللہ۔ البتہ امام کے پیچھے مطلقا فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کے ہو جانے پر علمائے آلِ غیر مقلدیت کی عبارات یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مولانا محمد گوندلوی کی بہترین بات:

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد اپنے حلقہ میں ’’شیخ الاسلام اور حجۃ الاسلام‘‘ کہلائے جاتے ہیں۔ (فاتحہ خلف الامام: ۱۱، تصنیف زبیر علی زئی)

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارا تو یہ مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بناء اجتہادی ہے۔پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔'' [خیر الکلام:۳۳]

گوندلوی صاحب کتاب کے مندرجات کو''خیر الکلام'' کا نام دے رہے ہیں اور خیر الکلام کا معنی بہترین بات ہے۔کتاب کے باقی مندرجات جیسے بھی ہوں مگر ''امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہوجاتی ہے۔'' جملہ واقعہ بہترین بات ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے گوندلوی صاحب کی اس عبارت کو اپنی تائید میں نقل کرکے حرف بہ حرف اتفاق کیا ہے۔[توضیح الکلام:۱/۴۳]

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی عبارت:

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا غیر مقلدین کے حلقہ میں بہت بڑا مقام ہے یہاں تک انہیں ''شیخ الاسلام'' بھی کہا گیا ہے۔بھوجیانی صاحب نے مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب ''احسن الکلام'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''پونے چار سو صفحات کی یہ کتاب بڑی ''دلچسپ'' ہے۔ساری بنیاد اس پر کھڑی کی گئی ہے کہ اہلِ حدیث امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھنے والے کو ''بے نماز'' سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔امام بخاری سے لے کر محققین علماء اہلِ حدیث تک کسی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا۔'' [تقریب خیر الکلام:۱۴]

شیخ البانی کے نزدیک فاتحہ پڑھنا منسوخ ہے:

شیخ البانی صاحب غیر مقلدین میں بہت ہی اونچا مقام رکھتے ہیں۔محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے اُنہیں ''محقق العصر'' قرار دیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''علامہ البانی جو محقق العصر ہیں اور انہوں نے واقعۃً کتاب وسنت کی نہایت بہترین خدمات انجام دی ہیں۔'' [مقالاتِ راشدیہ:۱/۲۵۳]

مولانا عبد الباری فتح اللہ غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مجددِ ملت، محدثِ عصر وفقیہ دہر علامہ محمد ناصر الدین البانی۔'' [مقدمہ مترجم صفۃ صلوۃ النبی:۸]

مولانا ابو الاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ البانی کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔'' [مقالاتِ شاغف:۳۵۴]

البانی کا اپنا ایک مستقل حلقہ ہے اہلِ حدیث ہونے کے بہت سے دعوے دار ایسے ہیں جو اُن کی بات کو حرفِ آخر سمجھتے ہوئے مان لیتے ہیں جیسا لہ شاغف صاحب غیر مقلد نے اعتراف کیا ہے۔

[مقالاتِ شاغف:۲۶۶]

البانی کے نزدیک جہری نمازوں میں قراءۃ نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''**وهو مذهب مالك وأحمد وغيرهما أن القراءة فيها مشروعة دون الجهرية وهو أعدل الأقوال كما قال شيخ الإسلام ابن تيمية في الفتاوى.** ''[سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة :۵۸/۲] مالک واحمد وغیرہما کا مذہب یہی ہے کہ بلاشبہ قراءۃ اُن (سری نمازوں) میں مقتدی کے لیے جائز ہے جہری میں جائز نہیں اور تمام اقوال میں سے سب سے زیادہ انصاف والا یہی قول ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے۔

البانی صاحب نے جہری نمازوں میں مقتدی کے فاتحہ نہ پڑھنے کو انصاف والا قول کہا ہے۔

نماز کے موضوع پر البانی کی ایک کتاب ''**صفة صلوة النبي** '' ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءۃ کرنا منسوخ ہے۔ پھر مقتدی کے لیے قراءۃ کے منسوخ ہونے پر متعدد حدیثیں پیش کی ہیں۔ [**صفة صلوة النبي**:۸۰]

پاکستان میں البانی کی اس کتاب **صفة صلوة النبي** کا اُردو ترجمہ ''نمازِ نبوی'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس نمازِ نبوی میں عنوان ''جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کا حکم'' ہے۔

[نمازِ نبوی:۹۰]

مولانا عبدالباری فتح اللہ غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ البانی صاحب جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اس کتاب [صفۃ صلوٰۃ النبی (ناقل)] کے صفحہ:۱۶۱ پر اسے منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور دلیل میں حدیث ابی ہریرہ ''**انی اقول مالی انازع القرآن** '' تبھی تو میں کہتا ہوں کہ کیا بات ہے کہ قرآت قرآن میں میری آواز سے آواز ٹکرائی جا رہی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن لی تو جہری نمازوں میں آپ کے ساتھ قرآت کرنا چھوڑ دیا... پیش کی ہے مذکورہ بالا حدیث ابو ہریرہ کو علامہ البانی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث ''**لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب** '' اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو اپنی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے'' کا ناسخ قرار دیا ہے۔'' [مقدمہ مترجم **صفة صلوة النبي**:۶ ،۷]

البانی صاحب کہتے ہیں:

’’صحابہ کرام پھر مطلقاً آپ کے پیچھے نماز میں قرآت کرنے سے رک گئے۔‘‘

[مقدمہ مترجم صفة صلوة النبی:۱۶۲]

بندہ نے البانی کا موقف اور اُن کے دلائل **صفة صلوة النبی** اور دیگر غیر مقلد علماء کی کتابوں سے اپنے ایک مستقل مضمون ’’امام کے پیچھے قراءۃ کرنا منسوخ ہے، البانی کا فتویٰ‘‘ میں جمع کردی ہیں۔ یہ مضمون مجلّہ صفدر میں شائع ہو چکا ہے، الحمدللہ۔ دیکھیے شمارہ: ۸۹/جولائی ۲۱۰۸ء

فائدہ: قارئین کرام! آپ نے اوپر ملاحظہ فرمالیا کہ البانی کے نزدیک جہری نمازوں میں قراءۃ کرنا منسوخ ہے اس لیے جہری نمازوں میں فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اب ذرا توجہ کریں کہ جہری نمازیں کون کون سی ہیں۔

فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین، تراویح، رمضان میں وتر جہری نمازیں ہیں اور غیر مقلدین کے ہاں تو جنازہ بھی جہری پڑھنا سنت ہے۔ البانی کے فتوے کے مطابق ان سب نمازوں میں مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ اب باقی کتنی نمازیں رہ گئیں؟ سری نمازیں ظہر و عصر میں البانی نے امام مالک کے قول کو اختیار کیا ہے، آگے ’’مولانا غلام رسول صاحب کا حلفیہ بیان‘‘ عنوان کے تحت مذکور ہوگا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنا جائز تو ہے مگر واجب نہیں۔

مولانا ارشادالحق اثری کی عبارتیں:

مولانا ارشادالحق اثری غیر مقلد نے ایک کتاب ’’توضیح الکلام‘‘ لکھی۔ بہت سے غیر مقلد علماء: مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا عزیز زبیدی، محبّ اللہ شاہ راشدی، مولانا محمد علی جانباز، مولانا محمد صدیق سرگودھوی، مولانا صلاح الدین یوسف وغیرہم نے اس کتاب کی تائید کی ہے جیسا کہ اسی کتاب پر لکھی گئی تقریظات سے ثابت ہے۔ اثری صاحب ’’توضیح الکلام‘‘ کے متعلق لکھتے ہیں:

’’اس کتاب کو...علمائے اہلِ حدیث نے ایک سنجیدہ اور ٹھوس علمی دلائل سے مزین کتاب قرار دیا۔‘‘ [تنقیح الکلام:۱۹]

عرض ہے کہ علمائے اہلِ حدیث نے جس توضیح الکلام کو ’’ایک سنجیدہ اور ٹھوس علمی دلائل سے مزین کتاب قرار دیا‘‘ اسی کتاب میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے ایسا شخص بے نماز نہیں وغیرہ۔ آیئے اس کتاب ’’توضیح الکلام‘‘ کی عبارتیں پڑھئے اور لطف اُٹھایئے۔

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''امام بخاری سے لے کر دَورِ قریب کے محققین علمائے اہلِ حدیث تک کسی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے ...آج بعض حضرات نے جو قدم اُٹھایا ہے اسے پیش قدمی نہیں کہا جاسکتا۔پھر جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا۔''

[توضیح الکلام:۱/۱۷،طبع جدید]

اثری صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو بے نماز کہتے پھر رہے ہیں وہ غیر مقلد ہونے کے ساتھ غیر ذمہ دار بھی ہیں۔

اثری صاحب نے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد کی کتاب ''تحقیق الکلام'' کے متعلق لکھا:

''آپ اسے حرف بہ حرف پڑھ جائیں کہیں آپ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو بے نماز اور جہنمی لکھا ہوا نہیں پائیں گے۔'' [توضیح الکلام:۱/۴۴،طبع اول]

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''ہم سابقہ صفحات میں عرض کر آئے ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا فتویٰ امام شافعیؒ سے لے کر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق عالم نے نہیں دیا۔''

[توضیح الکلام،طبع جدید:۱/۱۱۳]

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''امام بخاریؒ سے لے کر تمام محققین علمائے حدیث میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو فاتحہ نہ پڑھے وہ بے نماز ہے،کافر ہے۔'' [توضیح الکلام،طبع جدید:۱/۴۶۹]

اثری صاحب توضیح الکلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''توضیح کے ٹھوس،علمی اور اصولی دلائل جو ہمالیہ کی طرح قائم ہیں،کا کوئی صحیح جواب نہ دے سکے۔'' [تنقیح الکلام:۱۹]

ان کے اس دعوے سے ہمارا اتفاق ضروری نہیں البتہ ہم الزاماً کہہ سکتے ہیں کہ توضیح الکلام کے مباحث اگر لاجواب ہیں تو اسی توضیح الکلام میں جگہ جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔یہ بات واقعی لاجواب ہے۔بیس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے مگر ہماری معلومات کے مطابق آج تک کوئی غیر مقلد اس بات کا جواب شائع نہیں کرا سکا۔

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''کسی ذمہ دار اہلِ حدیث عالم نے اس بناء [امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے (ناقل)] پر انہیں بے

نماز اور کافر نہیں کہا۔کیونکہ یہ اختلافی اور فروعی نوعیت کا مسئلہ ہے جو شخص اپنی تحقیق کی بناء پر فاتحہ نہیں پڑھتا وہ غلطی کے باوجود عنداللہ ماجور ہے اور قابل مؤاخذہ نہیں۔'' [آئینہ اُن کو دکھایا تو بُرا مان گئے: ۲۵]

''عنداللہ ماجور'' کا مطلب ہے اسے اللہ کے ہاں اجر ملے گا۔

اثری صاحب لکھتے ہیں:

''ذمہ دار علمائے اہلِ حدیث نے کبھی بھی اس بناء پر فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو کافر فاسق اور جہنمی نہیں کہا۔حضرت الاستاذ محدث گوندلوی کے الفاظ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔تحقیق الکلام بھی ساری پڑھ جائیے اس میں بھی آپ تارکین فاتحہ خلف الامام کو بے نماز اور جہنمی لکھا ہوا نہیں پائیں گے۔''

[آئینہ اُن کو دکھایا تو بُرا مان گئے: ۲۷]

فاسق کا معنیٰ ''گناہ گار'' ہے۔اثری اعتراف کے مطابق امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والا گناہ گار نہیں ہے۔

مولانا غلام رسول غیر مقلد کا حلفیہ بیان:

غیر مقلدین میں ''ولی کامل'' کہلائے جانے والے بزرگوں میں سے ایک مولانا غلام رسول صاحب ہیں۔ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ دو زمیندار آپ کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ ہم کو ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔مگر جب تک اللہ کی قسم کھا کر نہ بتائیں گے ہم یقین نہ کریں گے۔آپ نے فرمایا: پوچھو! انہوں نے کہا:...کیا سورۃ فاتحہ خلف امام پڑھنا فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو غیر پر ترجیح دوں گا کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ان نمازوں میں جن میں قراءۃ آہستہ پڑھی جاوے سورہ فاتحہ پڑھی جاوے اور جہر میں سکوت کیا جاوے۔'' [سوانح حضرت العلام مولانا غلام رسول:۱۵۹]

مولانا غلام رسول صاحب نے امام مالک کا مسلک اختیار کیا کہ جہری نمازوں میں مقتدی فاتحہ نہ پڑھے البتہ سری میں پڑھا کرے۔یہاں دو باتیں ملحوظ رکھیں۔پہلی یہ کہ جہری نمازوں کی تعداد سری سے زیادہ ہے جیسا کہ اوپر ''**شیخ البانی کے نزدیک فاتحہ پڑھنا منسوخ ھے**'' عنوان کے تحت مذکور ہوا۔ دوسری یہ کہ امام مالک سری نمازوں میں مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ اس کا اعتراف خود غیر مقلدین نے بھی کیا ہے۔[تحفۃ الاحوذی:۱/۲۵۷،توضیح الکلام:۱/۸۷،۱۱۲]

مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا طرزِ عمل:

وزیر آبادی صاحب کو اُن کے حلقہ میں ''امیر المجاہدین'' کہا جاتا ہے۔ایک عرصہ تک امام کے پیچھے

فاتحہ نہ پڑھنا اُن کا معمول رہا۔ چنانچہ وہ خود ہی لکھتے ہیں:

''میں نے ریفرنڈم جیتنے اور شمالی سرحدی صوبہ کو پاکستان میں شامل کرنے کی غرض سے رفع العیدین، سینے پر ہاتھ باندھنے، آمین اونچی کہنا چھوڑ دیا۔ میرے متعلق کہا گیا کہ امام کی اقتداء میں فضل الٰہی کا اگر مُنہ ہلتا ہے تو یہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوگا اور یہ پکا وہابی ہے۔ لہٰذا میں نے کچھ عرصہ کے لیے فاتحہ خلف الامام بھی چھوڑ دی۔'' [علمائے دیوبند اور انگریز: ۱۵۳ بحوالہ توضیح الکلام پر ایک نظر: ۱۴]

مولانا عبدالرحیم بن طالب جان کا اعتراف:

مولانا ابوشاکر اللہ عبدالرحیم بن طالب جان صاحب لکھتے ہیں:

''**فاتحه خلاف امام وغیره کول یا نه کول د یو امام مسلک دی، خو صحیح به دواره وی ، خکه چه حق دی یعنی کول او کول دواره د محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم نه نقل دی.** ''ترجمہ: فاتحہ خلف الامام وغیرہ کرنا یا نہ کرنا ایک امام کا مسلک ہوگا لیکن حق دونوں ہے یعنی کرنا نہ کرنا دونوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

[تنبیہ المقلدین: ۱۹، ناشر ایوب مکتبہ بحوالہ ترجمان احناف پشاور جمادی الاول ۱۴۴۰ھ، صفحہ: ۴۷]

اس عبارت میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کو حق قرار دے کر اسے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ عنہ وسلم سے منقول تسلیم کیا ہے۔

مولانا عبداللہ فانی صاحب کی تحقیق:

غیر مقلدین کے محقق مولانا عبداللہ فانی صاحب لکھتے ہیں:

''**او د محققینو علماؤ تحقیق هم دا رنک دی چه جهری مانحهٔ کنبی یعنی سحر دوه رکعته ما بنام دوه رکعاته او ما سخوتن دوه رکعته او دا رنک په جمعه او اخترونو کنبی خاموش پاتی کیدل پکار دی.** ''ترجمہ: محقق علماء کی تحقیق بھی اسی طرح ہے کہ جہری نماز میں یعنی صبح کی دو رکعات، مغرب کی دو رکعات اور عشاء کی دو رکعات اور اسی طرح جمعہ اور عیدین میں خاموش رہنا بہتر ہے۔ [انتخابِ مشکوۃ: ۱/۳۶۳ بحوالہ ترجمان احناف پشاور جمادی الاول ۱۴۴۰ھ صفحہ: ۴۸]

امین اللہ پشاوری کی ''الحق الصریح'' گواہی:

غیر مقلدین کے مصنف مولانا امین اللہ پشاوری صاحب لکھتے ہیں:

''اگر ایک عالم نے جانبین کے دلائل دیکھ لیے اور تحقیق کر لی کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے اور آثار و اہلِ علم کے اقوال سے متاثر ہوا تو اس کی نماز صحیح ہے۔'' [الحق الصریح: ۴/۲۰۹، بحوالہ ترجمان

احناف پشاور جمادی الاول ۱۴۴۰ھ، صفحہ:۵۰]

کتاب کا نام ''الحق الصریح'' ہے اس نام سے مصنف یہ تاثر دینا چاہیے ہیں کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان ہوا وہ صریح حق ہے۔اس لیے ہم انہیں الزاماً کہہ سکتے ہیں کہ اگر کتاب کے مندرجات ''حق صریح'' ہیں تو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کا صحیح ہونا ''حق صریح'' ہے۔

غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ:

قارئین کرام! علمائے غیر مقلدین کے فتاویٰ اور عبارات اوپر آپ پڑھ چکے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے، فاتحہ پڑھنا منسوخ ہے ،امام بخاری سے لے کر دورِ قریب تک کسی اہلِ حدیث نے یہ نہیں کہا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کو باطل کہنے والے جماعت کے غیر ذمہ دار لوگ ہیں، فاتحہ نہ پڑھنے والے کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا، فاتحہ نہ پڑھنے کا قول انصاف والا ہے، امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا حق ہے اور امام کی اقتداء میں فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کا صحیح ہونا حق صریح ہے وغیرہ۔ایک طرف یہ ساری باتیں ہیں اور دوسری جانب امام کی اقتداء میں فاتحہ نہ پڑھنے والوں کے خلاف غیر مقلدین کے سخت قسم کے فتاویٰ ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

مولانا ابو الاشبال شاغف غیر مقلد نے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو عذابِ الیم کی دھمکی سنائی ہے۔چنانچہ وہ فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر بزعمِ خود دو (۲) دلیلیں ذِکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اب میرا مشورہ ہے کہ مقلدین احناف ان دونوں روایتوں پر عمل شروع کر دیں کیوں کہ ان کی صحت ثابت ہو چکی ہے ورنہ خوف ہے کہ وہ اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں ﴿**فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم**﴾(نور:۶۳) **وماعلینا الا البلاغ**''[مقالاتِ شاغف:۳۵۴]

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو فرمایا: میرے پیچھے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔''[فتاویٰ ثنائیہ:۱/۴۸۹]

ہماری معلومات کی حد تک ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب مذکورہ بالا فرمان موجود ہو۔

غیر مقلدین کے ''مفتی'' محمد زبیر صاحب لکھتے ہیں:

''اکثر مقلدین منکر حدیث ہوتے ہیں، مثلاً: قراءت خلف الامام کی صحیح حدیث کو نہیں مانتے اور

اپنے امام کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جو آیہ کریمہ **فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک الی آخرہ** کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بالخصوص اہلِ حدیث کے لیے ناجائز ہے۔''

[فتاویٰ ستاریہ: ۴/۴۵]

مولانا محمد سلفی اور مولانا عبدالماجد دہلوی نے اس فتوے کی تصدیق کی ہے۔ اس عبارت میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے والے پر تین فتوے داغے ہیں۔

۱۔ اسے منکرِ حدیث کہا۔

۲۔ اسے ایمان سے خارج قرار دیا جیسا کہ **فلا وربک** آیت ذکر کر کے اشارہ کیا۔

۳۔ ایسے بندے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

غیر مقلدین کے صحیفہ میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز کو ''اکارت اور بے کار'' بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''عمر بھر کی تمام نمازوں کے اکارت اور بے کار جانے کا بہت بھاری خوف ہے جو امام کے ساتھ پڑھی گئی ہیں۔'' [صحیفہ اہلِ حدیث، رجب ۱۳۵۹ھ، صفحہ: ۱۱]

امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کے حوالے سے غیر مقلدین کی مذکورہ بالا تلون مزاجی کیا تاثر دی رہی ہے؟ اس کا فیصلہ قارئین ہی کر لیں گے۔ ☆☆☆☆

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہئے

''بد دین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو اس میں ظلمت ملی ہوئی ہوتی ہے، اس کی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اور دیندار دنیا کی بھی باتیں کرے تو ان میں نور ہوتا ہے، کیونکہ کلام دراصل قلب سے ناشی ہوتا ہے تو قلب کی حالت کا اثر اس میں ضرور ہوگا، پس چونکہ متکلم کا اثر اس کے کلام میں اور مصنف کے قلب کا اثر اس کی تصنیف میں ضرور ہوتا ہے اس لیے بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہئے، کیونکہ مطالعہ کتب مثل صحبت مصنف کے ہے، جو اثر بے دین کی صحبت کا ہوتا ہے وہی اس کی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔'' [کمالات اشرفیہ: ۸۶]

ایک سوبیس (۱۲۰) صحابہ کرام اور صحابیات کو منظوم خراج عقیدت
سیکڑوں ایمان افروز اور ولولہ انگیز اشعار سے مزین منفرد اور خوبصورت گلدستہ

کرنیں ایک ہی مشعل کی

منظوم

مداحِ صحابہ

انجم نیازی

صفحات......تین سواٹھائیس (۳۲۸)

قیمت: دوسو (۲۰۰) روپے [نٹ]

ناشر: دارالامین، لاہور 0334-4612774
سٹاکسٹ: مکتبہ صفدریہ، بہاولپور 0301-7790908